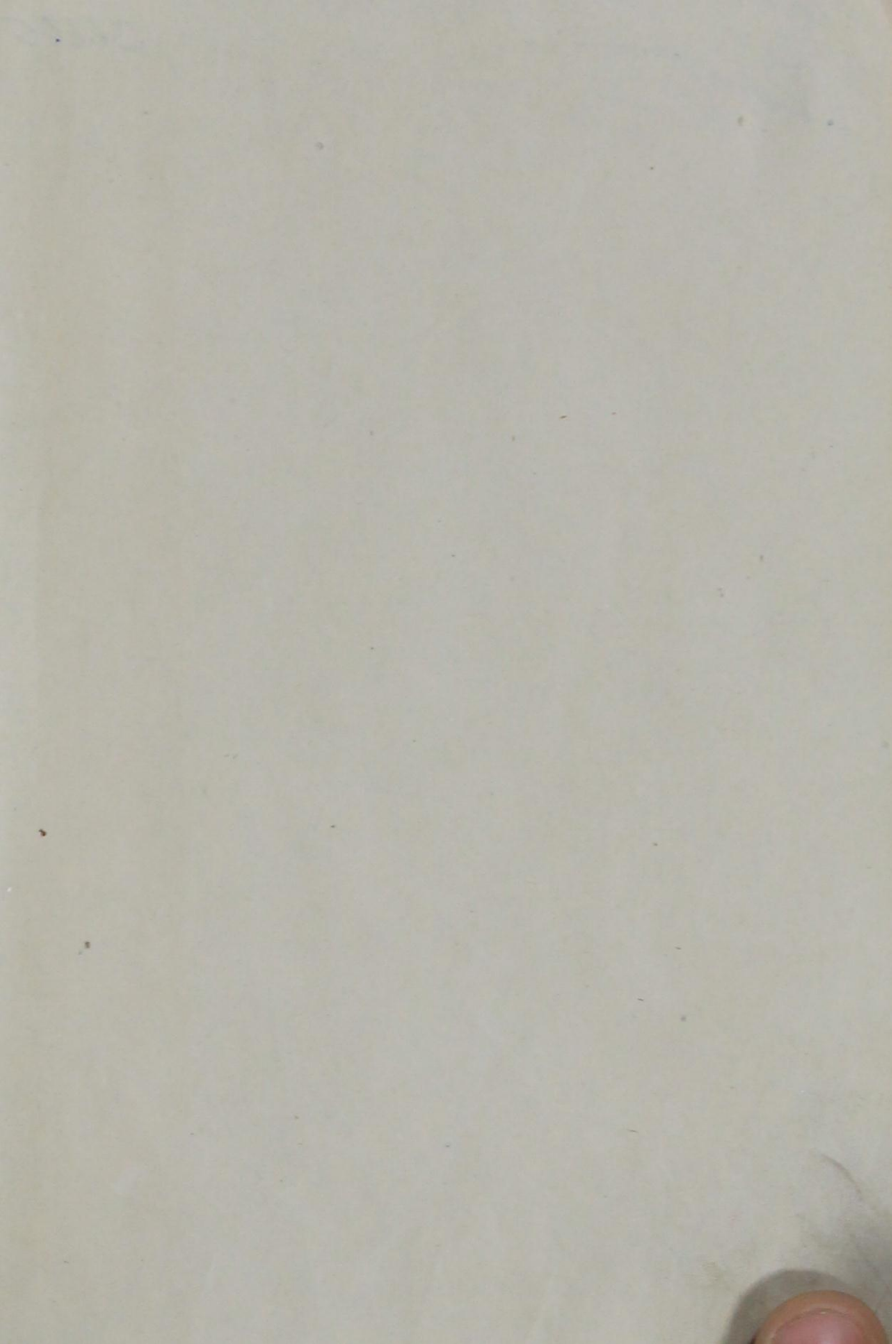


نشاطِ غم

بسمل سعیدی

فہرست

پیش لفظ

بسملؔ صاحب مریض ہیں، جسمانی اور ذہنی دونوں اعتبارات سے۔۔۔۔

انھیں عاشق ہونے، تڑپنے، رونے، آہیں بھرنے اور اُن سے لُطف اندوز ہونے کا مرض اور مزمن مرض ہے۔۔۔۔ "نہ جلنے میں وہ لذّت نہ شب کے سوز میں ہے اگر مزا ہے تو پچھلے پہر کے رونے میں"۔ اِس شعر کی وہ جیتی جاگتی تصویر ہیں۔

شاعری کے رنگین قصر میں بیٹھ کر، علم النفس کی روشنی میں اگر اِن قلبی کیفیات کی تفسیر و تحلیل کی جائے گی تو سائنٹفک نقطۂ نظر سے خواہ وہ کتنی ہی حکیمانہ کیوں نہ ہو لیکن شاعرانہ نقطۂ نظر سے ایسی تفسیر و تحلیل ایک کھُلی ہوئی ستم ظریفی اور ایک

بد مزا گردینے کی حد تک بد ذوقی ہوگی۔

ہر چیز کو اُسی کے دائرے میں رہ کر دیکھنا صحیح نتائج کی طرف رہنمائی کرسکتا ہے
اسی لئے میرا یہ خیال ہے کہ بسمل صاحب کا یہ مرض، عین صحت ہے، کیونکہ
اسی نے اُن کی شاعری میں رُوح پھونکی ہے اور اسی نے اُن کے کلام میں
ایک ایسے غم کی آمیزش کردی ہے جس سے دل کو خوشی حاصل ہوتی ہے،
اور اُسی کے دوش بدوش اِسی نے اُن کے سُخن میں ایک ایسی خوشی کا
عنصر مِلا دیا ہے جو روح پر غم بن کر چھا جاتی ہے۔

میں بار ہا کہہ چکا ہوں کہ غزل ایک قطعی غیر فطری صنفِ کلام ہے، یہ
دِل کے آتش کدے کی چنگاری نہیں، بلکہ روایتی چولھے کی ٹھنڈی راکھ ہے،
یہ الفاظ کا گورکھ دھندا، روایات کا عکس، مفروضات کا انبار، لُٹے ہوئے
کاروانوں کی گرد۔ اور تمام تر وہ چیز ہے جسے ہندو فلسفے میں "مایا" کہا جاتا ہے۔
ہمارے دُبلے پتلے، نازک مزاج اور عاشق تن بسمل صاحب بھی

اِس "مایا" پن سے نامِ خُدا قطعی طور پر خالی نہیں۔ لیکن چونکہ میں نے انھیں قریب سے دیکھا ہے، اس لئے کہہ سکتا ہوں کہ اُن کے کلام کا بیشتر حصّہ اس عیب سے پاک ہے اُن کے کلام میں "کرنے کی وِدّیا" پائی جاتی ہے۔ وہ اپنی واردانوں اور اُن سے پیدا شُدہ تاثُّرات، نیز اپنی ٹھنڈی آہوں اور اپنے گرم آنسوؤں کو اس سلیقے کے ساتھ شعر کا جامہ پہناتے ہیں کہ سامعین کے قلوب پر اپنے ہی دِل کی سی کیفیّت پیدا کر دیتے ہیں۔ اور میرے نزدیک شاعر کا سب سے بڑا کارنامہ اور سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کو دوسرے کے دل پر طاری کر دے۔ اور یہ انتقالِ تاثُّرات و ابلاغِ احساسات ایک ایسا نادر ملکہ ہے جو بہت ہی کم شاعروں میں پایا جاتا ہے۔

بِسمِل صاحب، اِسے خوش قسمتی سمجھ لیجئے، یا بدبختی، ایک خالص دہلی کی شاعر ہیں۔ میرے محبوب مرحوم دوست اختر شیرانی بھی ٹونک کے

باشندے تھے اور بسمل صاحب بھی اُسی سرزمین کی پیداوار ہیں، وہ بھی رومانی تھے، یہ بھی رومانی ہیں، شاید سرزمینِ ٹونک جو عصرِ نو سے اب تک مُنہ پھیرے بیٹھی ہے، بلا کی رومان پرور واقع ہوئی ہے۔

ایک خالص رومانی شاعر سے ہم یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ زندگی اور اُس کے تمام پیچیدہ مسائل کا مُطالعہ کریں۔ اور عصری تقاضوں کے اشارات دیکھ کر وقت کی آواز پر آواز دیں ―――― "مامقیمانِ کوئے دلداریم" قسم کے افراد کو اس جانب مائل کرنے کی سعی کرنا، اپنے وقت کی بربادی اور اُن کی ذات پر بے رحمانہ سختی کے سوا اور کچھ نہیں۔

بسمل صاحب کی رُومان پرستی کی ایک وجہ تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اُس ٹونک کے رہنے والے ہیں، جو آب تک خلوت نشین اور عزلت پرست ہونے کی بنا پر بقیہ ملک سے قطعی بیگانہ ہے، اور تو اور ٹونک نے اپنے ہمسایہ جے پور تک سے اَب بات نہیں کی ہے۔

اور دوسری وجہ خود اُن کی اُفتادِ طبیعت ہے جو حُسن و عشق کے علاوہ اور کچھ دیکھنا پسند ہی نہیں کرتی

حُسن و عشق کی اہمیت و عظمت کا اگر میں انکار کروں تو کافر، بلکہ مہا کافر۔
لیکن اُس کی اہمیت و عظمت کے باوجود اِس لامحدود نظامِ شمسی اور اِس عظیم و
حیرت ناک اور پُراسرار حیاتِ ارضی میں صرف ایک حُسن و عشق ہی ایک ایسی
متاعِ واحد نہیں کہ بازارِ عالم میں اِس کے سوا اور کوئی دوسری جنسِ فروختنی کے
وُجود ہی کو تسلیم نہ کیا جائے، اور "از زمیں تا آسماں سخن است" کی سی صداقتِ عظمیٰ
کا انکار کر دیا جائے۔

بہرحال ہر شخص اپنے کچھ حُدود رکھتا ہے، اور مناسب یہی ہے کہ ہم انھیں
حُدود میں افراد کو جانچیں، پرکھیں، اور اُن پر حکم لگائیں، کیونکہ اگر ہم ہر وقت
اِس دُنیا کی لامحدودیت کی عینک لگائے رہیں گے تو اِس دُنیا کا ایک فرد بھی
ہمیں درخورِ اعتنا معلوم نہیں ہوگا اور ہم خود اپنی نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں گے
اِس لئے روحانی حُدود میں رہتے ہوئے اِس بات کا بلا خوفِ ابطال
دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ بسمل صاحب ایک نہایت شایانِ ستائش اور

قابلِ قدر شاعر ہیں - اور جن کے دِل چوٹ کھائے ہوئے ہیں وُہی اِس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ اُن کا کلام کیا قدر و قیمت رکھتا ہے -

یہ اُردو اَدبیات کی جواں بختی ہے کہ بسمل صاحب کا کلا شائع ہو رہا ہے اور اس کے مطالعے کے بعد اندازہ ہو جائے گا کہ یہ نامعروف شاعر کتنے معروف شاعروں کے چراغ گُل کر سکتا ہے -

بہ مکتب می رَود طفلِ پری زاد
مُبارکباد مرگِ نَو بہ اُستاد

اور یہ بات کُھل جائے گی کہ میں اِس مندرجہ بالا شعر میں جنھیں اُستادُ کا خطاب دے رہا ہوں، اُن میں سے اکثر اِس "طفلِ پری زاد" کے مقابلے میں خود "پری زاد" معلوم ہونے لگیں گے، اور یہ "پری زاد" اُستاد نظر آنے لگے گا۔

جوشؔ

۱۰/۵/۴۲
دہلی

غزلیں

غزل

بند ہے در شراب خانے کا،

حال کھلتا نہیں زمانے کا!

سر ہے اب اور جنونِ سجدہ ہے

ہوش کس کو ہے آستانے کا

آرزو آفتِ زمانہ ہے!

نام بدنام ہے زمانے کا!!

بابِ توبہ کے بند ہوتے ہی،
کھُل گیا در شراب خانے کا

سُننے والا نہیں زمانے میں،
عشق ناشاد کے فسانے کا

خانۂ باغباں ہے رہن کرم
میرے برباد آشیانے کا

بزمِ بیداد میں اُجالا ہے
جانے کس کے سیاہ خانے کا

کھا رہا ہوں میں ٹھوکریں، لیکن
ٹھوکروں میں ہے سر زمانے کا

کون ہے جو نہیں زمانے میں،
کس سے شکوہ کریں زمانے کا
برق وقفِ طواف رہتی تھی
کیا زمانہ تھا آشیانے کا
تم نہ ہوتے اگر زمانے میں،
کس سے اُٹھتا ستم زمانے کا
ہوگیا ہے قفس قفس جس سے
وہ تصوّر ہے آشیانے کا
شاید اِس دور میں نہیں بسمل
کارفرما کوئی زمانے کا!

غزل

عشق جو ناگہاں نہیں ہوتا — وہ کبھی جاوداں نہیں ہوتا

کوئی راحت رساں نہیں ہوتا — درد جب تک فغاں نہیں ہوتا

عشق رکھتا ہے جس جگہ دل کو — میں بھی اکثر وہاں نہیں ہوتا

مجھ پہ ہوتے ہیں مہرباں جب وہ — خود پہ اپنا گماں نہیں ہوتا

عشق ہوتا ہے دل کا اک عالم — دل کا عالم بیاں نہیں ہوتا

حسن جب تک اسے فنا نہ کرے — عشق خود جاوداں نہیں ہوتا

کون کرتا خدا کو بھی سجدہ — گر ترا آستاں نہیں ہوتا

رہ نہ سکتی تھی عشق کی غیرت — دل اگر بدگماں نہیں ہوتا

عشق میں ہائے دل کی وہ حالت
حالِ دل جب بیاں نہیں ہوتا

میں نے دیکھا ہے اُن کی محفل میں
کچھ زمان و مکاں نہیں ہوتا

عشق سے دل کی بن نہ سکتی تھی،
تُو اگر درمیاں نہیں ہوتا

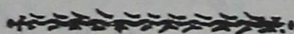
عشق ہوتا ہے دل بدل محسوس
یہ فسانہ بیاں نہیں ہوتا

حُسن نازک مزاج ہو کر بھی
عشق سے سرگراں نہیں ہوتا

امتحاں گاہِ عشق میں ہر ایک
قابلِ امتحاں نہیں ہوتا

اُن کو جس وقت تک نہ ہو منظور
انقلابِ جہاں نہیں ہوتا

کچھ یہ حالت ہے بسملؔ اب جیسے
باغ میں باغباں نہیں ہوتا



غزل

سُنا ہے ایک جہاں اِس جہاں سے پہلے تھا،
عجب جہاں تھا اگر آسماں سے پہلے تھا

اگرچہ سجدے ہیں ممنونِ آستاں، لیکن
مذاقِ سجدہ مجھے آستاں سے پہلے تھا

تمہیں کہو! کبھی تم نے سُنا تھا خوش ہو کر
تمہارا ذکر جو میرے بیاں سے پہلے تھا

قبولِ خاطرِ عشّاق ہو کے رہ نہ گیا،
ترا فسانہ مری داستاں سے پہلے تھا

نہ شوقِ رہزنیٔ دل، نہ ذوقِ غارتِ جاں

عجب طریق مرے کارواں سے پہلے تھا

بہار تھی نہ خزاں، برق تھی، نہ تھا صیّاد

چمن نہ تھا جو مرے آشیاں سے پہلے تھا

اِسی جہان کو اِنکار تھا قیامت کا،

یہی جہان جو اِک نوجواں سے پہلے تھا

کچھ اِس طرح ہے مجھے دردِ عشق کا احساس

یہ جیسے مجھ کو یُونہیں جسم و جاں سے پہلے تھا

وہ ناز بن کے پھر آخر نیاز ہو کے رہا

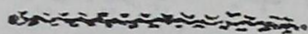
اُنھیں غرور جو میری فغاں سے پہلے تھا

ہے وہ بزم کہ ہوتا ہے روز یہ محسوس

کہ جیسے کوئی تعلّق یہاں سے پہلے تھا

ہنوز دل میں اُسی شدّ و مد سے ہے بسمل

وہ حوصلہ جو مجھے اِمتحاں سے پہلے تھا



شعر

مُدّعا کہہ کے بھی باتوں میں لگائے رکھوں!

ورنہ سوچیں گے خُدا جانے وُہ کیا کیا دِل میں

دیگر

رات کاٹی اُمید میں دِن کی!

دِن کی اُمّید میں گذاری رات!

غزل

میں بھی مشکل سے اُٹھا، رشک بھی مشکل سے اُٹھا

دل وہیں بیٹھ گیا، جب تری محفل سے اُٹھا

تیری محفل کے علاوہ کوئی عالم ہی نہیں،

وہ کہیں کا نہ رہا جو تری محفل سے اُٹھا

مشکلیں میری محبت کی، الٰہی توبہ،

اُن کے کوچے سے جنازہ بھی تو مشکل سے اُٹھا

آپ میں آنے کی پھر کوئی جہت ہی نہ رہی

میں تری بزم سے جب تیرے مقابل سے اُٹھا

عینِ دریا کا تلاطم تو رہا ساحل تک

ہو گیا قہر وہ طوفان جو ساحل سے اُٹھا

ڈگمگاتا تھا اِدھر پائے طلب کا بسملؔ

شورِ لبیک اُدھر جانبِ منزل سے اُٹھا



دو شعر

آشیاں ہے مرا اُس کُنجِ چمن میں بسملؔ

کہ خزاں آتی ہے جس میں نہ بہار آتی ہے!

دیگر

برس رہی ہے وہ معصومیت سی چہرے پر کہ دِل میں شرم سی شوقِ گُناہ کٹ جائے

غزل

ہائے مایوسی قفس میں بھی قرار آہی گیا

راہ پر آخر دلِ بے اختیار آہی گیا

ہو کے وہ مجبورِ جذبِ انتظار آہی گیا

میرے کام آخر فریبِ اعتبار آہی گیا

یاد ہیں مایوسیوں کے عشق میں وہ دن، کہ جب

میں بھی یہ سمجھا کہ اب دل کو قرار آہی گیا

سامنا ہوتے ہی اُف ری حسن کی وارفتگی،

کوئی یہ سمجھے کہ دل بے اختیار آہی گیا

پھر گئی کچھ اِس طرح مجھ سے زمانے کی نگاہ

اُن کی برگشتہ نگاہی کو بھی پیار آ ہی گیا

دو شعر

اب ہاتھ مل رہا ہوں، ہیں وہ دِن گذار کے

حاصل تھے ابتدا میں جو اِک اعتبار کے

ہر صاحبِ نظر سے جُدا ہے معاملہ

پردے پڑے ہوئے ہیں وہاں اعتبار کے

غزل

یہ عالم ہے کسی کے حُسن کی نازک ادائی کا

مجھے احساس مشکل ہے ستم کی نارسائی کا

جو ناکردہ گُنہ کی طرح باقی کوئی رہ جائے

وہی سجدہ ہے تیرے در پہ حاصل جبہ سائی کا

محبت کے نہایت نازک احساسات ہوتے ہیں

شگفتِ گُل پہ بھی ہوتا ہے دھوکا جگ ہنسائی کا

شروعِ عشق سے گویا وفاؤں ہی میں گذری تھی

کیا کچھ اِس اَدا سے عذر اُس نے بیوفائی کا

کسی کے دل کی دھڑکن تک کوئی محسوس کرتا ہے

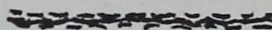
محبّت میں یہ اِک عالم بھی ہوتا ہے جُدائی کا

معاذ اللہ شیخ و برہمن کا ظاہر و باطن،

گناہوں نے پہن رکھا ہے جامہ پارسائی

گنہگاری مری عینِ مشیّت ہے مگر بسمل

مجھے باغی کہا جاتا ہے احکامِ خدائی کا



غزل

بے نیازِ دین و مستغنیِ ایماں ہو گیا
جس کو اے کفرِ محبت تیرا عرفاں ہو گیا

میکدے میں ہے اگر ایمان بھی تو کُفر ہے
خانقاہوں میں مگر ہر کُفر ایماں ہو گیا!

عشرتِ دنیا مرا کیا ساتھ دیتی عمر بھر
یہ ترا غم تھا کہ جو وابستۂ جاں ہو گیا

عشق کی دُنیا میں ہو گا ماتمِ رسمِ وفا

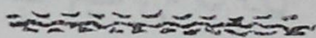
حُسن اگر اپنی جفاؤں پر پشیماں ہو گیا

میں نے جس گُل پر نظر ڈالی وہ گُل مُرجھا گیا،

تم نے جس غُنچے کو دیکھا وہ گُلستاں ہو گیا

بسمل اب اس منظرِ مستی میں دلچسپی کہاں

دِل پریشاں ہو گیا، عالم پریشاں ہو گیا



شعر

حق ہوا اور تلخ نہ معلوم ہوا اللہ اللہ

اُف ری شیرینی گفتارِ رسولِ عربیؐ

غزل

دلِ خراب حسینوں سے رسم و راہ کے بعد

خجل ہے جیسے پشیماں کوئی گناہ کے بعد

ہزار حُسنِ عبادت گناہ سے پہلے،

اور ایک لطفِ عبادت مگر گناہ کے بعد

مرے نصیب کی برگشتگی سہی، لیکن

پھرا ہے مجھ سے زمانہ تری نگاہ کے بعد

سیت اس سے بھی پہلے مری موافق ہے

مرے خلاف شریعت ہے جس گناہ کے بعد

رہا سہا بھی اک زعمِ عشق باقی ہے،

کہیں یہ بات بھی جاتی رہے نہ آہ کے بعد

پھر اس گناہ کا دَورِ نشاط کیا کہیے،

نَفَس نَفَس میں ہو اِک خلد جس گناہ کے بعد

گذر تو جائے کوئی جلوہ گاہ سے پہلے

حریمِ ناز تو بسمل ہے جلوہ گاہ کے بعد



شعر

مری بے رہروی کو رہبرِ کامل نہیں ملتا   کوئی مستغنیٔ رسم درہِ منزل نہیں ملتا

غزل

دِل بن سکا نہ درد کو پیدا کیے بغیر
پیدا ہوا نہ درد تمنّا کیے بغیر

وہ عشق ہے جو دل کو گوارا کبھی نہ ہو......
اور دِل رہے نہ جس کو گوارا کیے بغیر

کیا ترکِ آرزو بھی نہیں ہے قبولِ حُسن،
اُٹھتا ہے پاؤں اُدھر اب ارادہ کیے بغیر

کافر خُدا کرے کہ وہ تیرا شباب ہو،
مَر جاؤں جس گناہ سے توبہ کیے بغیر

اے جذبِ عشق دیکھ یہ ہوتا ہے نازِ حُسن،

یوں آئے ہیں وہ جیسے ارادہ کئے بغیر

ہاں دردِ دل تجھے تری شدّت کا واسطہ

اُن سے رہا نہ جائے مدادا کئے بغیر

ہر چند اُن سے کوئی سروکار بھی نہ ہو،

بنتی نہیں ہے اُن کی تمنّا کئے بغیر

سر کو اُٹھا بھی لوں جو ترے سنگِ در سے میں

دل مانتا نہیں تجھے سجدہ کئے بغیر

اللہ رے شرطِ عشق کہ ناکامیوں پہ بھی

بسمل رہا نہ جائے تمنّا کئے بغیر!

غزل

رہنے کو ہم قفس میں رہے آشیاں سے دُور

لیکن چمن میں تھی یہ جگہ آسماں سے دُور

اُس قُرب سے جو سجدِ دل میں تُجھ سے ہُوا مُجھے

سجدے بھی ہیں مقام بلنّا آستاں سے دُور

جتنا بھی آشیاں میں قفس سے قریب تھا

اُتنا ہی اب قفس میں ہوں میں آشیاں سے دُور

حاصل نہ جس کی روح کو ہو قربِ میکدہ

وہ نامراد رحمتِ پیرِ مغاں سے دُور

تجھ سے بھی دُور تک کوئی ایسی جگہ نہیں

محفل میں اپنی تو نظر آئے جہاں سے دُور

اُس نامُراد سے جو ترے آستاں پہ ہی

اچھا ہے بدنصیب جو ہے آستاں سے دُور

اب تک کوئی بتا نہ سکا راہ عشق میں،

منزل کہاں سے پاس ہے بسمل کہاں سے دُور

شعر

ہائے وہ دِن کہ روز مرتے تھے ۔ آج لالے پڑے ہیں جینے کے

غزل

پلٹے نہیں ہیں عیب کو بھی کم ہنر سے ہم

جب دیکھتے ہیں چشمِ حقیقت نگر سے ہم

اُن کے فریبِ لُطف کے دن بھی گذر گئے

اب مطمئن ہیں اپنے غمِ معتبر سے ہم

کتنا بلند عشق کی غیرت نے کر دیا

جس دن سے گر گئے ہیں تمھاری نظر سے ہم

بیٹھیں تو کس اُمید پہ بیٹھے رہیں یہاں،

اُٹھیں تو اُٹھ کے جائیں کہاں تیری در سے ہم

دو دِن میں ہو گیا ہے یہ عالم کہ جس طرح

تیری ہی اختیار میں ہوں عمر بھر سے ہم

خود جس قدر بلند ہیں اپنی نگاہ میں

اِتنے نہ گر سکیں گے تمہاری نظر سے ہم

دیکھیں گے کیا کسی کو اب اپنی نگاہ سے

خود کو بھی دیکھتے ہیں تمہاری نظر سے ہم

بسمل مسافرت کی یہ ساری مصیبتیں

پہلے ہی دل میں سوچ کے نکلے ہیں گھر سے ہم

شعر

جان اِس بے تعلقی پر بھی ۔ بر بِنائے تعلقات گئی

غزل

نہ ملے نشاطِ بہشت کیوں مجھے اپنی عرضِ نیاز میں

مری عرضِ شوق جھلک رہی ہے ترے تبسّمِ ناز میں

کوئی فرق ہی نہیں کر سکا ہیں حقیقت اور مجاز میں

وہی جوہر آئینے میں بھی ہے، جو ہے فکرِ آئینہ ساز میں

وہی اٹھ رہی ہیں یہ دم بدم، وہی بن گئی ہیں ترے قدم

جو ہوئی ہیں صرف قیامتیں تری طرزِ قامتِ ناز میں

دو جہاں کا لطف ہے عشق سے کہ بغیرِ عشق نصیب ہو

نہ سکونِ روح گناہ میں، نہ حضورِ قلب نماز میں

جو ذرا نظر کو جُھکا دیا تو بہشتِ نغمہ ہُوئی فضا

زہے یہ ترنّم بے صدا تری چشمِ مست کے ساز میں

مِرا حرمِ شوق معاف کر، تو مجھے ذلیل کبھی تُو نہ کر

مجھے اِس غرور سے بھی بچا جو ہے عفوِ بندہ نواز میں

ترے پائے شوق کی ہمّتوں میں ہیں تری عشق کی منزلیں

ہیں مقام قرب کے بھی بہت اِسی راہِ دُور و دراز میں

مرے دل کو عشق نے بخش دی ہیں غرورِ عشق کی عظمتیں

ترے ناز کو نہیں دخل اب مری بارگاہ نیاز میں!

نہیں شوخیوں کو نصیب وہ جو یہ ڈھا رہی ہے قیامتیں

یہ حیا کی ایک جھلک جو ہے تری چشمِ فتنہ طراز میں

جو شریعت آج ہے معترض مرا مُنہ تکے گی وہ روزِ حشر

ترا حُسن پیش جو ہو سکا مری معصیت کے جواز میں

کوئی ہو تو شانہ کشِ یقیں، ہے فریبِ گیسوئے کُفر، دیں

یہ حقیقتیں ہیں جو پیچ و خم سے پڑے ہیں زُلفِ مجاز میں

ابھی میری عشق کی جنونوں کو ہیں یاد اپنی وہ نخوتیں

وہ شکست سی ترے حُسن کی وہ نیاز سا ترے ناز میں

جو نمود تیرے شباب کی تری حُسن سے ہے تو یہ سمجھ،

کہ خود اپنے فاش بھی ہونے کی ہی صلاحیت اِسی راز میں

جو ہیں تیرے دامنِ ناز میں، دو جہاں بھی تو مجھ اِس سے کیا

مرے دستِ شوق کی جرأتیں، نہیں تیرے دامنِ ناز میں

جو نمودِ صبحِ ازل ہوئی، تو مزاجِ حُسن میں حل ہوئی،

وہ ادا جو رنگ ہے پھول میں، وہ صدا جو نغمہ ہے ساز میں

مجھے اپنے در سے اُٹھا تو دے، مگر اپنے دِل میں یہ سوچ لے

ترا آستانۂ ناز بھی ہے مری جبینِ نیاز میں!

وہ کئے ہیں سجدے ابھی ادا، جو تمھارے حُسن کے حق کے تھے

ابھی میرے عشق کے سجدے تو ہیں مری جبینِ نیاز میں

یہ مری نگاہیں جو ترے در کو پلٹ پلٹ کے ہیں دیکھتی

یہ وہ سجدے ہیں کہ جو رہ گئے تھے مری جبینِ نیاز میں

یہ نگاہِ مطربِ خوش نوا کا اثر ہے بسملِ بے نوا

کہ میں سُن رہا ہوں وہ نغمے بھی جو ابھی ہیں پردۂ ساز میں

غزل

خدا نے جنتیں بھر دیں محبّت کی عبادت میں
تمھارا آستاں لکھ کر مرے سجدوں کی قسمت میں

کبھی صبحِ مسرّت میں، کبھی شامِ مصیبت میں،
سمائے جا رہے ہیں وہ مرے ذوقِ محبّت میں

یہی ہے جزوِ اعظم تیرے اجزائے محبت میں
تمنّا کی حفاظت کر محبّت کی حفاظت میں

جبینِ عقل جس میں جرأتِ سجدہ نہیں کرتی
گذر جاتا ہے اکثر عشق اُس منزل سے نخوت میں

گوارا بے محبت ہو نہ جس اُمّید پر جینا
اُسی اُمّید پر انسان مرتا ہے محبت میں،
ہمیں اُن کی طرح منظور خود بینی نہیں ورنہ
محبت حُسن سے بڑھ کر حسیں ہے اپنی فطرت میں
کسی تصویر میں رنگِ مذاقِ ہر نظر جیسے،
یہی عالم قبولِ حُسن کا ہے اُن کی صورت میں
نظر جب حُسن آتا ہے کسی منظر میں دنیا کے
اضافہ ہو کے رہ جاتا ہے وہ تیری محبت میں
مشیت تک رہی ہے مُنہ اچنبھے سے شریعت کا
مری فردِ عمل رکھی ہے میزانِ قیامت میں

تری چشمِ عنایت کا بہت ممنون ہوں ، لیکن

محبّت کی حقارت ہے تری چشمِ عنایت میں

وہ قدِ آدم آئینے میں تسمل اُن کی انگڑائی

جوانی جس طرح بیدار ہوتی ہے طبیعت میں

شعر

دو جہاں میں ہو رہی ہے ترے نام کی دُہائی

مگر اِک صنم کدے میں نہ چلی تری خدائی!

دیگر

اُف مسلسل یہ نیز گیٔ لحد نہیں معلوم کتنی رات گئی

غزل

شاعرِ جذبات ہوں جب وجد میں آتا ہوں میں

روح کو بیدار کرتا دِل کو گرماتا ہوں میں

جب زمانے میں محبّت کی کمی پاتا ہوں میں

ساری دُنیا پر محبت بن کے چھا جاتا ہوں میں

ہر بلند وپست کو اِس طرح ٹُھکراتا ہوں میں

کوئی یہ سمجھے کہ جیسے ٹھوکریں کھاتا ہوں میں

جیسے وہ آتے ہوں اکثر ایسے گھبراتا ہوں میں

اور کبھی ایسے کہ جیسے اُن کو یاد آتا ہوں میں

دیکھ او بیدرد کیا سے کیا ہُوا جاتا ہوں میں

اب تو احساسِ محبّت سے بھی گھبراتا ہوں میں

کون جانے ، یا میں جانوں ، یا مری تنہائیاں

جانے کیا کہہ کر دلِ مضطر کو سمجھاتا ہوں میں

ایک سنّاٹا سا چھا جاتا ہے قلب و روح پر

ہائے وہ عالم کہ جب اپنے کو یاد آتا ہوں میں

دیکھ سکتا ہی نہیں اوّل تو میں اُن کی طرف

دیکھ لیتا ہوں تو پھر دیکھے چلا جاتا ہوں میں

ہائے وہ محویّتِ ذوقِ تصوّر ، ہجر میں ،

جب نفس کی آمد و شد سے بھی گھبراتا ہوں میں

حُسن آخر حُسن ہے ، اور عشق آخر عشق ہے

وہ کہیں ملتے نہیں اور ہر جگہ پاتا ہوں میں

فکرِ انجامِ محبّت عالمِ تنہائی ہے

جیسے اپنے آپ میں ڈوبا چلا جاتا ہوں میں

جب وہ ہوتے ہیں تو ہر شے جیسے ہوجاتی ہو گُم

وہ نہیں ہوتے تو ہر شے میں اُنہیں پاتا ہوں میں

موت سے بچ کر کدھر جاؤں میں بسمل کیا کروں؟

ہر طرف سے کوئی قاتل میں پہنچ جاتا ہوں میں

شعر

ہاتھ اُٹھتے ہی پھر گئے تیور جی نہ چاہے تو کیوں سلام کرو

غزل

ہوس کی دنیا میں رہنے والوں کو میں محبت سکھا رہا ہوں
جہاں پہ دامن بچھے ہوئے ہیں، وہاں پر آنکھیں بچھا رہا ہوں

سرودِ غم پر بھی زندگی میں طرب کے دھائے بہا رہا ہوں
میں اُن کے سازِ جفا پر اپنی وفا کے نغمے سُنا رہا ہوں

الٰہی دنیا میں اور کچھ دن ابھی قیامت نہ آنے پائے
ترے بنائے ہوئے بشر کو ابھی میں انساں بنا رہا ہوں

عدم کے تاریک راستے میں کوئی مسافر نہ راہ بھولے
میں شمعِ ہستی بُجھا کر اپنی چراغِ تُربت جلا رہا ہوں

اِنھیں سے شاداب جنّتوں کی فضاؤں میں لحنِ سرمدی ہے

یہ اشکِ غم جو سکوتِ شب ہائے زندگی میں بہا رہا ہوں

میں اپنی طرزِ جنوں کے صدقے مرا جنوں بھی عجب جنوں ہے

کسی کا دامن پکڑ رہا ہوں، کسی سے دامن چھڑا رہا ہوں

ابھی تو آیا ہی تھا وہاں سے کبھی نہ جانے کا عہد کر کے

مگر محبّت، نہ ہے محبت، ابھی وہیں سے پھر آ رہا ہوں

ملی ہے کانٹوں کی مجھ کو قسمت، مگر ہے پھولوں کی میری فطرت

جہاں ہوں پامالِ غم ہوں لیکن جہاں بھی ہوں مسکرا رہا ہوں

چلا ہے شوقِ سجود لے کر الٰہی یہ کس کے در کی جانب

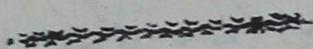
ابھی تو پہلا قدم اُٹھا ہے ابھی سے میں سر جھکا رہا ہوں

تری نظر گیا، میں اپنے دل سے بھی گر کے جاتا ہوں انجمن سی

جہاں کہ ہوتی ہے ختم دُوری وہاں سے بھی دُور جا رہا ہوں

یہ کس کے کوچے میں گامزن ہوں، یہ آستاں کس کا سامنے ہے

میں اپنے قدموں پر آج جس کے سرِ دو عالم جھکا رہا ہوں



دو شعر

کبھی فردوسِ چشمِ شوق بھی دیکھیں گے ہم تجھ کو!

ابھی ہو عیدِ نظّارہ ترا دیدار ہو جانا!

اب آنسو بھی تری تصویر کا آئینہ ہوتے ہیں

کبھی آنکھوں کو مشکل تھا ترا دیدار ہو جانا!

غزل

عشق کی اللہ ری مجبوریاں! اِک جنوں اور لاکھ ذمّہ داریاں

اہتمامِ زندگیٔ عشق دیکھ روز مر جانے کی ہیں طیاریاں

عشق کا غم، وہ بھی تیرے عشق کا کون کر سکتا مری غمخواریاں

بیخودیٔ عشق، جیسے غم کی نیند غم کی نیندیں روح کی بیداریاں

اک جنونِ عشق پر قربان ہیں حکمت و عرفاں کی سو ہشیاریاں

عشق بھی ہے کس قدر بر خود غلط اُن کی بزمِ ناز اور خودداریاں

چھوٹ کر رہ جائیں نبضیں عشق کی سہل ہو جائیں اگر دشواریاں

یہ نیازِ آرزو مندی نہ دیکھ
اَور کچھ ہیں عشق کی خودداریاں

اِک نگاہِ بے نیازِ عشق تک
حُسن کی ہیں سب غلط پنداریاں

اے جوانی، اے محبت، مرحبا
پھر نہ یہ نیندیں نہ یہ بیداریاں

اختلاجِ قلب کے دورے نہیں،
عشق کی بسمل ہیں دل آزاریاں

شعر

زندگی ضبطِ مصائب ہی بقدرِ برداشت!
موت ہے کثرتِ اندوہ سے گھبرا جانا!

غزل

محبّت روح بن کر جب سمائی جسمِ انساں میں
نگاہِ حُسن نے پیدا تڑپ کردی رگِ جاں میں

ابھی کتنے ہی افسانے محبّت کے مرتّب ہیں،
مرے شیرازۂ ہستی کے اجزائے پریشاں ہیں

وہاں کیا ملے غِ بیدادِ قتل، احساسِ خجلت ہو
جہاں سودشنۂ خونریز ہوں چشمِ پشیماں میں

تو پھر اے دستِ وحشت پاک کر قصّہ ہی دامن کا
نہ گُل اپنے گُلستاں میں نہ خار اپنے بیاباں میں

بنا ہے آج محشر میں جو دریا رحمتِ حق کا،

کل اک آنسو گرا تھا میری چشمِ تر سے داماں میں

قفس میں جو ہوا کے سرد جھونکے آتے رہتے ہیں

الٰہی کیا بہاریں اب بھی آتی ہیں گلستاں میں

وہ کیوں ہونے لگے، لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے

کہ جیسے وہ بھی شامل ہوں مرے حالِ پریشاں میں

الوہیت بھی شامل، بندگی کا لطف بھی حاصل

محبت کا بھی جذبہ ہائے کیا جذبہ ہے انساں میں

ملیں گی بن کے حوریں خلد میں انسان کو بسمل

جوانی کی وہ راتیں جو گذر جائیں گی ارماں میں

غزل

وہ آرزو، وہ تمنّا، وہ اضطراب نہیں

ہیں اب وہاں ہوں جہاں کوئی بار یاب نہیں

تری نظر ہے جسے انقلاب کہتے ہیں

تری نظر کے سوا کوئی اِنقلاب نہیں

تری نگاہ کی شوق آفرینیاں، توبہ

جو کامیاب ہے وہ بھی تو کامیاب نہیں!

غمِ فراق کی بے کیفیاں، خدا کی پناہ،
شراب میں بھی تو کیفیتِ شراب نہیں

مجھے پکار رہے ہیں صنم کدے والے
مری دعائیں جو کعبے میں مستجاب نہیں

سب انقلاب تھے اُن کی نگاہ پھرنے تک
اب آسمان کی گردش میں انقلاب نہیں!

جب التفات نہ تھا اشتیاق رہتا تھا،
اب التفات ہُوا ہے تو دِل کو تاب نہیں

وہیں سے اُٹھتے ہیں سب انقلاب کے بادل
وہ میکدہ کہ جہاں کوئی انقلاب نہیں

مری نظر کو نہ تھی تاب اُن کے جلوؤں کی

اب اُن کے جلوؤں کو میری نظر کی تاب نہیں

بدل گئے ہیں شب و روزِ زندگی یکسر

وہ ماہتاب نہیں اب، وہ آفتاب نہیں!

دوشعر

کیوں سجدۂ نیاز نہیں اب قبولِ ناز

میری جبیں نہیں، کہ ترا آستاں نہیں

دوزخ گناہِ شوق کی پاداش ہے، اگر

ذوقِ وصال خُلد کے بدلے گراں نہیں!

غزل

رُلائے جاتے ہیں اور مسکرائے جاتے ہیں
وہ میرے غم پہ خوشی بن کے چھائے جاتے ہیں

شگفتہ ہیں مرے گلہائے آرزو اُن سے،
یہ پھول خود نہیں کھلتے کھلائے جاتے ہیں

خدا ہی جانے کہاں شام ہونے والی ہے
سحر سے آج قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

نصیبِ کعبہ و بتخانہ ہو نہیں سکتے،
تمھارے در پہ جو سجدے لٹائے جاتے ہیں

تری نظر ہے کہ اندازۂ مشیّت ہے

تری نظر سے مقدّر بنائے جاتے ہیں

دِلوں میں جن کے ہے لغزش اُنھیں کے قدموں کو

شراب خانے کے رستے بُھلائے جاتے ہیں

خدا کے بندے بھی کعبے میں اب نہیں بنتے

صنم کدے میں خدا بھی بنائے جاتے ہیں

نہ ہوں نصیب مرے دشمنوں کو بھی وہ دن،

کہ جب خدا سے گُنہ بخشوائے جاتے ہیں

غرورِ حُسن سے بسمل درِ محبت پر،

وقارِ عشق کو سجدے کرائے جاتے ہیں

غزل

ترے لئے جو سرِ رہ گزار بیٹھے ہیں
فگندہ خاک بسر تاجدار بیٹھے ہیں

وہ بے نیاز، تو مستغنیٔ کرم ہیں ہم
وہ اور ہوں گے جو امیدوار بیٹھے ہیں

نہ التفات کی خواہش، نہ بے رُخی کا ملال
ہم اُن کی بزم میں بیگانہ وار بیٹھے ہیں

نظامِ دہر مرتب نہیں تو ہوتا ہے،

یہ میکدہ ہے جہاں بادہ خوار بیٹھے ہیں

جو بتکدے میں ہے ہلچل، تو حشر کعبے میں

ہم اضطراب میں کس کو پکار بیٹھے ہیں

وہ آکے دیکھ لیں بسمل مری وطن گردی

جو خوش نصیب غریب الدیار بیٹھے ہیں

شعر

حرم اور دَیر دونوں نظر آرہے ہیں ویراں

نہ وہاں خدا نمائی، نہ یہاں صنم نمائی!

غزل

جب محبّت اور وفا کی اِتنی ارزانی نہ تھی

اُن دنوں میں تو یہ دنیا اِس قدر فانی نہ تھی

جب تک اُن کے عشق کی شامل پریشانی نہ تھی

زندگی کی مشکلوں میں کوئی آسانی نہ تھی

اُس نے جب چاہا مجھے یوں مُطمئن فرما دیا

جیسے دنیا میں کوئی مجھ کو پریشانی نہ تھی

ہو گیا مشکل مریضِ ہجر کو دم توڑنا!

آپ کو اِس وقت میں تکلیف فرمائی نہ تھی

جُھک گیا پلّہ مری فردِ گُنہ کا حشر میں

نامۂ اعمالِ زاہد میں پشیمانی نہ تھی

کچھ تو آسانی بھی مشکل ہو گئی تھی عشق میں

کچھ مری مشکل کو بھی منظور آسانی نہ تھی

تھا یہی صحرا، یہی وادی، یہی وحشت، مگر

قیس کے آنے سے پہلے اِتنی ویرانی نہ تھی

عشق کی نظروں میں جب ایسی نہ تھیں گُستاخیاں

حُسن کے جلوؤں میں بھی تو اتنی عریانی نہ تھی

عشق رکھ سکتا تھا اُس جلوے کا پردہ کس طرح

حُسن کی جانب سے خود جس کی نگہبانی نہ تھی

اے زہے توفیقِ سجدہ ، اے زہے حسنِ قبول

تیرے سنگِ در کے لائق میری پیشانی نہ تھی!

اُس زمانے کا ورق تاریخِ انساں میں نہیں

جس زمانے میں محبت کی جہانبانی نہ تھی

میں تو بسمل اُس نگاہِ عشق پہ قربان ہوں

جس سے پہلے حُسن کے جلوؤں میں تابانی نہ تھی

شعر

بسمل ، جلا کے شمعِ تمنّا تمام رات   بیٹھا ہوا ہوں رات اندھیری گذار کے

غزل

دیکھوں نہ سُوئے خلد اُٹھا کر نگاہ بھی،

اے حُسنِ اتفاق اِک ایسا گُناہ بھی

ہے کتنی جلوہ ساز تری جلوہ گاہ بھی

اِک موجِ حُسن بن گئی میری نگاہ بھی

زاہد بُرا کسی کو نہ کہہ کیا خبر تجھے

اچھا ہو بندگی سے کسی کا گناہ بھی!

اِک آرزوئے شوق ہے جس پر الگ الگ

میری نگاہ بھی ہے، تمہاری نگاہ بھی

کیا چیز دل میں ہے کہ ابھی ناتمام ہے

حالانکہ کامیاب ہے، دِل بھی، نگاہ بھی

بن کر کبھی تلاش، کبھی لذّتِ تلاش،

اک شوق راہبر بھی ہے، اور سدِّ راہ بھی

بسمل وہاں ہے عشرتِ شاہی تجھے نصیب

ہے اِک گدائے کوچہ جہاں بادشاہ بھی!

شعر

لُطف برسات میں ہیں جینے کے ‌ ‌ ‌ آ گئے دن شراب پینے کے

غزل

اُنھیں اپنے ستم پر کیا ندامت ہو نہیں سکتی
مگر میں کیا کروں مُجھ سے شکایت ہو نہیں سکتی

محبّت اپنی شدّت میں جنوں ہی کیوں نہ ہو جائے،
تمھارے حسن کے قابل محبّت ہو نہیں سکتی!

تجھے، یا اہلِ محفل کو ترے کیا غم قیامت کا،
تری محفل سے باہر تو قیامت ہو نہیں سکتی!

محبت جھولیاں اپنے گلے میں ڈال سکتی ہے

مگر وابستۂ دامنِ دولت ہو نہیں سکتی!

خداوندانِ دنیا کا تکبر ہیچ ہے بسمل،

خُدائی کیا کریں گے جن سے خدمت ہو نہیں سکتی

شعر

نیست ہو جائے گی دنیا جب نہ ہو گا انقلاب

ہے مزاجِ دہر کی تعدیل ہی تغیر سے

دیگر

میری سجودِ شوق میں رنگِ قبول آئے کیا

جب ترا سنگِ آستاں قابلِ بندگی نہ ہو

غزل

رہروِ راہِ محبت کون سی منزل میں ہے

دل ہے بیزارِ محبت اور محبت دل میں ہے

جستجو کا اک بہانہ ، شوقِ منزل دل میں ہے

ننگِ ذوقِ جستجو ہے جو قدم منزل میں ہے

عشق ناکامی و محرومی ہے ، مایوسی نہیں

کچھ نہ ہو اِک دل کشی تو سعیٔ لاحاصل میں ہے

زندگی شاید فریبِ آرزو کا نام ہے ،

ناامیدی میں بھی تو اک آرزو سی دل میں ہے

جس کو خوش ہو کر وہ اپنے واسطے کر لیں پسند

کیوں محبت کوئی ایسی آرزو بھی دل میں ہے

آرزو بھی ہے، محبت ہی، مگر با ایں ہمہ

آرزو اتنی نہیں جتنی محبت دل میں ہے

اُس کی کثرت پہ فدا، میں اُس کی وحدت پر نثار

جس کسی کے دِل میں ہے گویا اُسی کے دل میں ہے

منزلِ مقصودِ بسمل، وہ نظر آنے لگی!

ہر نظر منزل پہ، جیسے ہر قدم منزل میں ہے

شعر

یا تو ابھی دُنیا نے خدا کو نہیں جانا، یا یہ ہے کہ دُنیا کا خدا کوئی نہیں ہے!

غزل

جو دِکھائے اُن کا حُسنِ کار فرما دیکھئے

صبحِ حسرت دیکھئے ، شامِ تمنّا دیکھئے

دیکھ کر گلگشت اِک مستِ خرامِ ناز کی،

ساغرِ گُلرنگ میں کیا موجِ صہبا دیکھئے

قدِ آدم ہو کے جیسے رہ گیا ہو آفتاب

اِک سراپا حُسن کا حُسنِ سراپا دیکھئے

حسرتِ جلوہ بقدرِ حاصلِ نظّارہ ہے

اُتنی ہی بڑھتی ہے حسرت اُن کو جتنا دیکھئے

دست و دامن میں نہ ہو جیسے کوئی وابستگی!

میرے دستِ شوق سے دامن چھڑانا دیکھئے

فرض ہی پابندئ آئینِ میخانہ سہی،

بسملؔ اول چشمِ ساقی کا اشارہ دیکھئے

شعر

میری نگاہِ عشق اگر رنگ نہ بھر دیا کرے

تیری بہارِ حُسن میں کوئی شگفتگی نہ ہو

غزل

سر جس پہ نہ جُھک جائیں اُسے در نہیں کہتے

ہر در پہ جو جُھک جائے اُسے سر نہیں کہتے

کعبے میں مسلمان کو کہہ دیتے ہیں کافر،

بُتخانے میں کافر کو بھی کافر نہیں کہتے

رندوں کو ڈرا سکتے ہیں کیا حضرتِ واعظ

جو کہتے ہیں اللہ سے ڈر کر نہیں کہتے

کعبے ہی میں ہر سجدے کو کہتے ہیں عبادت
مے خانے میں ہر جام کو ساغر نہیں کہتے

ہر بار نئے شوق سے ہے عرضِ تمنّا،
سو بار بھی ہم کہہ کے مکرّر نہیں کہتے

میخانے کے اندر بھی وہ کہتے نہیں میخوار
جو بات کہ میخانے سے باہر نہیں کہتے

کہتے ہیں محبّت فقط اُس حال کو بسملؔ
جس حال کو ہم اُن سے بھی اکثر نہیں کہتے

شعر

ہماری بعد ہزاروں حسین پیدا ہوں   کسی حسین پہ یارب مگر شباب نہ آئے

غزل

یونہیں اِک چیز دل پر بھی دمِ دیدار گرتی ہے

تڑپ کر جس طرح بجلی سرِ کہسار گرتی ہے!

نشیمن تو چمن میں پھر بنا لوں گا، مگر بجلی،

جہاں اِک بار گرتی ہے، وہاں سو بار گرتی ہے

نہیں کرتی قبول اُس کو زمانے کی کوئی پستی،

بلندی سے تری جو شئے نگاہِ یار گرتی ہے

نزاکت غم کدوں کی عشق کے قبضہ معاذاللہ

کہ وزنِ سایۂ رہگیر سے دیوار گرتی ہے

غزل

بہت ہوں گے کسی کا حُسنِ کامل دیکھنے والے،

مگر ہوں گے نہ میرا عالمِ دل دیکھنے والے

کبھی پُوچھ اپنے غم سے میری دل کے ذوق کا عالم

دو عالم کی خوشی دے کر مِرا دِل دیکھنے والے

نہ وہ مُنکر خُدا کے ہیں، نہ جنّت کے نہ دوزخ کے

یہ کیا کُچھ دیکھ آئے تیری محفل دیکھنے والے

نگاہیں کس جگہ سے کیا نتیجہ اَخذ کرتی ہیں

کہ مُجھ کو دیکھتے ہیں تیری محفل دیکھنے والے

محبت اِک وہ بے سمت وجہت عالم ہے جس میں ہیں

تجھے ہر سمت سے اپنے مقابل دیکھنے والے

تری محفل میں آ بیٹھے تھے بزمِ خلد سے اُٹھ کر

کہاں جائیں گے اُٹھ کر تیری محفل دیکھنے والے

نہ جانے مطمحِ ذوقِ نظر رکھتے ہیں کیا بسمل

کسی کو ماورائے حدِّ منزل دیکھنے والے

شعر

بسمل خراب اپنی دُنیا بھی آخرت بھی

اِک جبر کی سزا ہے اِک اختیار کی ہے!

غزل

میں کیا کروں نیاز ہی مجھ کو پسند ہے،
حالانکہ آستانے سے سجدہ بلند ہے!

آوازہ تیرے حُسن کا جب سے بلند ہے
دروازۂ قبولِ دُعاؤں پہ بند ہے

اللہ رے حُسنِ یار یہ تیری سیاستیں،
اُس سے وہی ادا ہے جسے جو پسند ہے

"

اِن بے نیازیوں پہ کسے آئے گا یقیں،

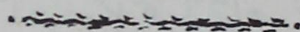
کس سے کہوں کہ حُسن تمنّا پسند ہے

دو دِن کو بندگی سے خدائی، بدل نہ لے

ایسی ہی بندگی جو خدا کو پسند ہے

بؔسمل، نظر نظر ہے مری کامیابِ شوق

اُن کی اَدا اَدا مرے دل کو پسند ہے



شعر

مجھ سو رنگ سے مارا ہی اُن کی بیوفائی نے

کسی سُرخی سے اس کو میرے افسانے میں رکھ دینا

غزل

ہم اُن کو ماورائے نظر دیکھتے رہے
حدِ نگاہ سے بھی اُدھر دیکھتے رہے

اِس عشقِ نامراد کا ہم تو تمام عمر،
زانوئے آرزو ہی پہ سَر دیکھتے رہے

ہوتا ہے بے طلوع، غرُوبِ آفتابِ عشق
ہر شام ہم بغیرِ سحَر دیکھتے رہے

رُک کر بڑھا تھا راہِ طلب میں جو اِک قدم
منزل تک اُس قدم کا اثر دیکھتے رہے

اللہ رے وہ مقامِ رہِ عشق، ہم جہاں
خود حسن کو بھی خاک بسر دیکھتے رہے

بسملؔ کتابِ عشق ہے مفہومِ یک نظر
نافہم اِس میں زیر و زبر دیکھتے رہے

شعر

زندگی اُس کی زندگی، موت بھی اُس کی زندگی
جس کا ترے سوا کوئی مقصدِ زندگی نہ ہو!

غزل

مجھے اب فکرِ دل کی ہے نہ اب اندیشۂ جاں ہے
محبّت اپنی اِس منزل سے خود میری نگہباں ہے

شعاعِ مہر میں رنگینیاں جیسے بہاروں کی
کسی کے حُسن کا عالم ہے یا صبحِ گلستاں ہے

بہی جاتی ہو جیسے روح فرطِ شادمانی سے
الٰہی چشمِ گریاں آج کس کے زیرِ داماں ہے

نسیمِ صبح سے مُنہ پھیر کر یہ مسکراتے ہیں،
گلُوں میں کس کا اندازِ تبسّم ہائے پنہاں ہے

وہی اِک حُسن ہی حُسنِ شباب اور حُسنِ صورت ہیں

کہیں سے کچھ فروزاں ہی، کہیں سی کچھ نمایاں ہے

بنا کر بھیجتی ہیں جنّتیں پھولوں کے پروانے

یہ کِس کے حُسن سی روشن مری شمعِ شبستاں ہے

قبولِ اعتبارِ حُسن اگر ہو جائے تو بسمل،

محبت ایک وعدہ ہی، تمنّا ایک پیماں ہی!



شعر

توقعات نے یُوں زندگی گذروادی

کہ جیسے آج تمنّا برآئی جاتی ہے!

غزل

مُجھے ایسا سُرور ہو جائے
کہ خودی مُجھ سے دُور ہو جائے

کاش ظلمتکدہ مرے دل کا
جلوہ گاہِ حضور ہو جائے

ہے وہی اُس کی منزلِ مقصود
جو جہاں تھک کے چُور ہو جائے

کامیابی کی گر اُمید رہے
کامیابی ضرور ہو جائے

لذتِ جستجو یہ کہتی ہے
منزلِ شوق دُور ہو جائے

یاد کر لو خطائیں تم اپنی
جب کسی سے قصُور ہو جائے

اُس کو کہتے نہیں ہیں دل بسملؔ
درد جس دل سے دُور ہو جائے

غزل

مظہر ہر جلوۂ جانانہ ہے　　　کعبۂ دیر و حرم میخانہ ہے

کتنا بیگانہ ترا دیوانہ ہے　　　کوئی سمجھے تُجھ سی بھی بیگانہ ہے

دل ہے اور لطفِ تصوّرِ یار کا　　　سر ہے اور سنگِ درِ جانانہ ہے

گردِ شمعِ بتکدہ ہے پھر ہجوم　　　پھر چراغِ کعبہ بے پروانہ ہے

یہ سُنا جاتا ہے بسملؔ کے لئے

اِک وَلی با مشربِ رِندانہ ہے!

مُسلسل غزلیں

بیدلی

وہ بیدلی سی محبت میں دل پہ چھائی ہے

کہ شوقِ وصل، نہ اب کاہشِ جدائی ہے

نہ اب ملالِ ستم ہے، نہ اب خیالِ کرم

خدا ہی جانے مرے دل میں کیا سمائی ہے

مذاقِ کوچہ نشینی، نہ آستاں بوسی،

وہ ذوقِ دید، نہ اب شوقِ جبہ سائی ہے

نہ وہ جنونِ محبت ہے، اور نہ رسوائی

نہ اب وہ گریۂ پیہم، نہ جگ ہنسائی ہے

کہاں وہ ذوقِ تصوّر، کہاں وہ لُطفِ خیال

دلِ خراب نے اب "یاد" بھی بھلائی ہے

اب اضطرابِ تمنّا سے ہی سکوں دِل کو،

سکون بن کے مری دل کی موت آئی ہے

مرے خیال میں توہین ہے جوانی کی،

اگر کسی کی جوانی میں پارسائی ہے

گُناہِ شوق کی توفیق دے خدائے عشق!

خدائے عشق دُہائی تری دُہائی ہے

نکال مجھ کو نہ اپنی خدائی سے باہر

اگر جہاں میں محبت تری خدائی ہے

کچھ ایسے عالمِ بیگانگی میں ہوں بسمل
کہ جیسے جان بھی اپنی نہیں پرائی ہے

شعر

کفن بھی لاش کو جس کی نہ ہوسکا تھا نصیب
اب اُس کی قبر پہ چادر چڑھائی جاتی ہے!

دیگر

کسی کی جدتِ ظلم آفرینی کا تصرّف ہے!
ذرا سا ہوش بھی کمبخت دیوانی میں رکھ دینا

تبدیلیاں

نہ اب وہ عشق نہ وہ عشق کی اَدائیں رہیں
نہ اب وہ حُسن ، نہ وہ حُسن کی ہوائیں رہیں
نہ عشق ، عشق رہا اب ، نہ حُسن ، حُسن رہا ،
نہ وہ وفائیں رہیں اب ، نہ وہ جفائیں رہیں
وہ حُسن و عشق کے راز و نیاز ہی نہ رہے
نہ وہ خطائیں رہیں اب ، نہ وہ سزائیں رہیں

مزاجِ حُسن و محبّت میں سادگی، نہ فریب

نہ وہ یقین رہا اب، نہ وہ وفائیں رہیں

غرورِ حُسن کی سب بے التفاتیوں کی طرح

نگاہِ شوق رہی اب نہ التجائیں رہیں

نہ وہ عیادت و تسکین، نہ وہ دلِ رنجور

نہ اب وہ دردِ محبّت، نہ وہ دوائیں رہیں

نہ زندگی سے وہ نفرت، نہ موت کی حسرت

وہ بد دعائیں رہیں اب، نہ وہ دُعائیں رہیں

ربابِ عشق، نہ مضرابِ حُسن، کچھ بھی نہیں

وہ نغمہ ہائے تمنّا، نہ وہ صدائیں رہیں

نہ میکدہ، نہ وہ میخوار، اور نہ وہ ساقی

نہ وہ چمن، نہ بہاریں، نہ وہ گھٹائیں رہیں

بدل گئے سحر و شامِ زندگی بسمل

وہ زندگی کے مناظر، نہ وہ فضائیں رہیں



دو شعر

خوشا زمانۂ ساقی گری و میخواری!

کہ بادہ بود و بہ میخانہ رسمِ جام نبود

ازاں زمانہ میانِ من و شما راہیست

کہ بر زبانِ کسے حُسن و عشق نام نبود!

محبّت کا خفا رہنا

جفا نا آشنا رہنا، وفا نا آشنا رہنا

ابھی دیکھا نہیں تم نے محبّت کا خفا رہنا

محبّت ہی ہزاروں مدعاؤں سی عبارت ہے

محبّت ہی مگر ہے بے نیازِ مدعا رہنا

تمھارے حُسن نے میری محبّت کو سکھایا ہے

وفا کو ہاتھ سے دینا، نہ پابندِ وفا رہنا

نہیں ہے تم کو دل کی وسعتوں کا علم ابھی شاید

محبّت میں ہے ممکن حُسن سے بھی ماورا رہنا

محبت کی نزاکت کی قسم اکثر محبت میں

گزرتا ہے گراں دل کو بھی اپنا مبتلا رہنا

بہت رُلوا لیا مجھ کو نہیں جب تنگ آیا تھا

مری آنکھوں میں بن کر آنسوؤں کا مدعا رہنا

تمہاری بے نیازی ہی نے مجھ کو بھی سکھایا ہے

تمہارے پاس ہی رہنا، مگر تم سے جدا رہنا

مرے دستِ طلب، میری نگاہِ شوق سے پوچھو

نہ مصروفِ دُعا رہنا، نہ صرفِ اِلتجا رہنا!

نیازِ عشق سے نازِ محبت میں نے سیکھا ہے

مجھے ہے باوجودِ بندگی بن کر خدا رہنا

وہ تاریخِ محبّت ہے ابھی محفوظ جس میں ہے

دیارِ آرزو میں، حسن کا بے دست وپا رہنا

نہ دیکھا جائے میرے عشق سے لیکن یہ ہونا ہے

تمھارے حُسن کا بیگانۂ نازو ادا، رہنا

محبّت کو گوارا ہی نہیں ہے آسرا، ورنہ

نہ دیکھا جائے تم سے بھی مرا بے آسرا رہنا

تمنّا بھی محبّت تھی، مگر دل نے کہا بسمل،

محبّت بن کے جب رہنا، تمنّا بن کیا رہنا!

شعر

پھر زلزلہ اجل کا جُنبش نہ دے سکا ہے، بنیادِ غم خوشی نے جب اُستوار کی ہے

گوارا نہیں مجھے

اب چشمِ اِلتفات کا یارا نہیں مجھے،

منظور یہ فریب دوبارا نہیں مجھے

رہنے بھی دو یہ اپنی پشیماں نگاہیاں

اب کوئی اعتبار تمھارا نہیں مجھے

نامہربانیوں کی گوارائی کی قسم،

اب مہربانیاں بھی گوارا نہیں مجھے

کٹ جائے گی ستم کے سہارے پہ زندگی

درکار اب کرم کا سہارا نہیں مجھے

ہاں مجھ سے کی گئی ہیں وفائیں بھی الاماں

کس کس طرح جفاؤں سے مارا نہیں مجھے

کھائی ہیں چشم شوق نے نفرت کی ٹھوکریں

اب شوقِ دید و ذوقِ نظارہ نہیں مجھے

چھیڑو دلِ حزیں کو نہ اللہ کے لئے

اب آرزوئے لطف و مدارا نہیں مجھے!

اب ہیں تمہارے عشق کو پیارا نہیں رہا

حالانکہ تم سے کوئی بھی پیارا نہیں مجھے!

خنداں اگر نہیں ہوں تو گریاں نہیں ہوں میں

گو بے نیازِ حسرت و ارماں نہیں ہوں میں

لیکن فریب خوردۂ پیماں نہیں ہوں میں

ہر چند اِس ستم کا بھی شکوہ نہیں مجھے،

لیکن اب اُس کرم کا بھی خواہاں نہیں ہوں میں

یہ تو نہیں کہ آرزوئے وصل اب نہیں

یہ ہے کہ اب فراق سے نالاں نہیں ہوں میں

دل کو سکونِ یاس گوارا نہیں ، مگر،

اب اضطرابِ شوق کے شایاں نہیں ہوں میں

آساں نہیں ہے عشق میں کچھ جمع خاطری،

لیکن اب اُس قدر بھی پریشاں نہیں ہوں میں

ہیں دل کو شاق تیری کم آمیزیاں ، مگر

شکوہ گذارِ جورِ فراواں نہیں ہوں میں

اپنی وفا سے لاکھ پشیماں سہی،

لیکن تری جفا سے پشیماں نہیں ہوں میں

کرتا ہوں تیرے عشق کی اب بھی حفاظتیں

حالانکہ آپ اپنا نگہباں نہیں ہوں میں

ایمان جانتا ہوں ترے کفرِ عشق کو،

تیری نظر میں گرچہ مُسلماں نہیں ہوں میں

قائم، مزاجِ عشق ہُوا ہے کچھ اِس طرح،

خنداں اگر نہیں ہوں تو گریاں نہیں ہوں میں

اب تک بھی خاکِ راہ ہوں تیرے لئے، مگر

اندیشہ مندِ جنبشِ داماں نہیں ہوں میں

ارمانِ مہربانی و احساں کے باوجود،

خواہانِ مہربانی و احساں نہیں ہوں میں

بے التفاتیوں کی طرف ملتفت نہیں،

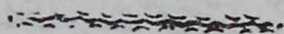
اور التفات ہو تو گریزاں نہیں ہوں میں

درماں ہوں میں تو درد نہیں دل کے واسطے

اور درد ہوں تو درد کا درماں نہیں ہوں میں

بسمل نواز! ہے تری مرضی پہ منحصر!

سب کچھ ہوں اور کچھ بھی مرے جاں نہیں ہوں میں



شعر

جب میں ہوتا ہوں خیال اُن کا بھلانے کے قریب

دُور سے وہ کہیں مجھ کو نظر آجاتے ہیں

دیگر

یا الٰہی کیا یہی بس حاصلِ فریاد ہیں   یہ جو دو آنسو پڑے ہیں دامنِ فریاد میں

معلوم نہ تھا

غیر ممکن بھی ہے ممکن مجھے معلوم نہ تھا

ایک دن آئے گا یہ دن مجھے معلوم نہ تھا

اور کچھ ہیں ترے ظاہر سے سمجھتا تھا تجھے

اور کچھ ہے ترا باطن، مجھے معلوم نہ تھا

اپنے دامانِ تصنّع میں چھپا سکتے ہیں

اِن معائب کو محاسن مجھے معلوم نہ تھا

دشمنی کے لئے مخصوص ہے جو طرزِ عمل

دوستی میں بھی ہے ممکن، مجھے معلوم نہ تھا

آہ، ہو سکتی ہے بیداد پہ مائل وہ نظر،
ہو جو الطاف کی ضامن مجھے معلوم نہ تھا

عمر بھر صبر نہ آئے گا مجھے جس کے بغیر،
چین پائے گا وہ مجھ بِن مجھے معلوم نہ تھا

باہمہ گرمئ دل، نبضِ محبّت اک دن،
ہو کے رہ جائے گی ساکن مجھے معلوم نہ تھا

آہ اِس عمرِ محبت میں کبھی اے بسملؔ!
ایک دِن آئے گا یہ دِن مجھے معلوم نہ تھا

شعر

مچلنے دی اگر جذباتِ آزادی مچلتے ہیں قفس کو آشیاں کے سامنے صیاد رہنے دے

تمھیں نے

گرویدہ مجھے اپنا بنایا تھا تمھیں نے،

اِس دامِ محبّت میں پھنسایا تھا تمھیں نے

تھا شوق مجھے تم سے مُلاقات کا، لیکن

میں خود نہیں آیا تھا بُلایا تھا تمھیں نے

مُدّت سے مرے دِل میں وفا سوئی ہوئی تھی

یہ فتنۂ خوابیدہ جگایا تھا تمھیں نے

میں عشق و محبت کا سبق بھول چکا تھا

مجھ کو یہ سبق یاد دِلایا تھا تمھیں نے

بڑھ کر تو میں پھر تم سے محبت میں رہا ہوں
اوّل تو محبت کو بڑھایا تھا تمھیں نے

ہے جس سے مری روحِ گنہ گار ندامت
وہ فتنۂ احساں بھی اُٹھایا تھا تمھیں نے

جس دن مجھے آئی تھی ہنسی عہدِ وفا پر
اُس دن مجھے رو رو کے رُلایا تھا تمھیں نے

اب جیسے کبھی ختم ہی ہوئے اِس کی نہ ہو گی
نغمہ وہ مرے سامنے گایا تھا تمھیں نے

جس سلسلۂ شوق کا یہ حشر ہوا ہے
وہ سلسلۂ شوق اُٹھایا تھا تمھیں نے

ہے جس پہ گراں میری سلاموں کا جواب اب

وہ ہاتھ مری سمت بڑھایا تھا تمھیں نے

(ق)

میں یاد دلاتا ہوں اگر بھول گئے ہو،

اک رنج مرے دل سے بھلایا تھا تمھیں نے

جس تجربۂ عشق پہ رویا تھا کسی روز،

ہنس کر اُسے باتوں میں اُڑایا تھا تمھیں نے

اب یاد وہ آتا ہے تمھارے ہی سبب سے

حالانکہ اُسے دل سے بھلایا تھا تمھیں نے

آزردۂ انجام وہ بسمل ہے تمھیں سے

آغاز میں مُنہ جس کو لگایا تھا تمھیں نے

اِکدن وہ نظر دردِ جگر ہو کے رہی گی

تھی کس کو خبر غم میں بسر ہو کے رہی گی

اِک دن شبِ عشرت کی سحر ہو کے رہی گی

معلوم نہ تھا آہ، کہ جو راحتِ دل تھی،

اِکدن وہ نظر دردِ جگر ہو کے رہے گی

رکھتی تھی مری راتوں کو روشن جو تجلّی

وہ شمعِ شبستانِ دگر ہو کے رہے گی

پھیری تھی نظر جس کے لئے میں نے ہر اک سے
برگشتہ مجھی سے وہ نظر ہو کے رہے گی

سمجھا تھا نہ میں عشرتِ رفتہ کی یہ تاثیر،
ہر عیش میں اندوہ اثر ہو کے رہے گی

نغمات کی لے نالہ رسِ شبگیر بنے گی
آوازِ رباب آہِ سحر ہو کے رہے گی

ہو جائیں گے مایوسِ صدا گوشِ تمنّا،
نظّارے سے محروم نظر ہو کے رہی گی

تھی حُسن کی تابش سے جو نمناکِ مسرت
وہ آنکھ کبھی اشک سے تر ہو کے رہی گی

ہر لمحے میں جس رات کے اک نُورِ سحر تھا

اُس رات کی تاریک سحر ہو کے رہ گی

معلوم نہ تھا آہ! محبّت میں، کہ بسمل،

دُنیا مری یوں زیر و زبر ہو کے رہ گی!



دو شعر

سرِ عرشِ بریں کیوں کر گئے یہ تو خدا جانے

نزولِ وحی کی صورت سرِ فرشِ زمیں آئے

وہیں سے خاک میرے سر پہ وحشت ڈالتی چلنا

جہاں سے پاؤں کے نیچے مدینے کی زمیں آئے

چلے گئے

شبنم گرا کے، پھول کھلا کر، چلے گئے،
ہنس کر چلے گئے، وہ رُلا کر چلے گئے
اب تک تو خیر آئے، اور آ کر چلے گئے
اب کے تعلقات بڑھا کر چلے گئے
پھر آنسوؤں سے دل کی لگی کو بجھاؤں گا،
پھر دل میں ایک آگ لگا کر چلے گئے

بن کر بہار باغ میں پھر آ گئے تھے وہ

پھر آ گئی خزاں، وہ پھر آ کر، چلے گئے

پھر دل میں اُن کے آنے کی ہے لَو لگی ہوئی

پھر دل میں ایک شمع جلا کر چلے گئے

رنجِ فراق بھی ہے، غمِ انتظار بھی

پھر آئیں گے کبھی یہ سُنا کر چلے گئے

جیسے بُرا خیال ہو میرے ملال کا،

مجھ کو بھی اپنے پاس بُلا کر چلے گئے

آنسو ٹھہر سکے، نہ مرا دِل ٹھہر سکا،

جھوٹی تسلّیوں میں اُڑا کر چلے گئے

ایک اِک سے ہنس کے ہاتھ ہلایا، گلے ملے
میری طرف سے آنکھ چُرا کر چلے گئے

جیسے یہیں تو ہوں۔ یہ چلے، وہ گئے اُدھر
میری نظر میں، دِل میں سما کر چلے گئے

جیتا رہوں کہ ہجر میں مر جاؤں، کیا کروں،
بسمل، وہ میری آس بندھا کر چلے گئے

شعر

اُن کا شباب دیکھ کے ہوتا ہے یہ خیال
دُنیا میں اب شباب کسی پر نہ آئے گا

کب آئے گا؟

وعدہ خلافِ "وعدۂ فردا" کب آئے گا؟

یارب! وہ میرا بھولنے والا کب آئے گا؟

اب وہ نویدِ ذوقِ تمنّا کب آئے گا؟

فردوسِ دل بہشتِ نَظَارہ کب آئے گا

جانِ ادا و نازِ سراپا کب آئے گا؟

میری طرف نہ دیکھنے والا کب آئے گا

جس کی اَدَا اَدَا ہے ستم میری واسطے

ہاں ہاں، وہی وہی ستم آرا کب آئے گا

بڑھتا ہے جس کے آنے سے یہاں دردِ دل مرا

وہ میرے دردِ دل کا مداوا کب آئے گا؟

بے دیکھے رہ سکوں، نہ جسے دیکھ ہی سکوں

وہ آفتابِ ذوقِ تمنّا کب آئے گا؟

دل ہے بجھا بجھا سا، تمنّا اُداس، اُداس

وہ جانِ دل، وہ جانِ تمنّا کب آئے گا؟

کب تک رہے گا سلسلۂ اشکِ متّصل

ان آنسوؤں کا پونچھنے والا کب آئے گا؟

ہنس ہنس کے لوگ دیکھیں گے کب تک مری طرف

وہ مسکرا کے دیکھنے والا کب آئے گا؟

ہوتا ہے اُس سے باغ میں جو موسمِ بہار

یارب! بہار کا وہ زمانہ کب آئے گا؟

اس میری جاں کی قسم ہے تجھے صبا،

اُس جانِ انتظار سے کہنا کب آئے گا؟

بسملؔ پھر آئے گا۔ وہ ضرور آئے گا، مگر

اب اُس کو یاد "وعدۂ فردا" کب آئے گا؟

شعر

کیا موت کے سوا بھی ہے کچھ مقصدِ حیات؟

وہ موت جس کے واسطے تو اشکبار رہو!

آئے کون؟

افسردگیٔ شوق میں دِل گُدگُدائے کون؟

تیرے غمِ فراق کو دل سے مٹائے کون؟

برباد جا رہا ہے یونہیں خرمنِ حیات

جب تُو نہیں تو برقِ توجہ گرائے کون؟

جس میں غرورِ حُسن کو ہو اعترافِ عجز،

اِس طرح میرے نازِ محبت اُٹھائے کون؟

جس طرح کھُل گئے ہوں دریچے بہشت کے

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یوں مسکرائے کون؟

دُھومیں مچا کے عشوہ و انداز و ناز سے

میرے شبابِ شوق کی راتیں جگائے کون؟

تیری ہی برقِ حسن سے جو تھی فروغ گیر،

اُس شمعِ آرزو کو بھلا اب جلائے کون؟

نظارۂ جمال کی گنجائشیں کہاں،

جب تُو سما چکا تو نظر میں سمائے کون؟

جب تک نہ جائے یاد تری چشمِ شوخ کی

آغوشِ شوق میں ہرے شرما کے آئے کون؟

دِل سے ترے خیال نے سب کچھ بُھلا دیا،
لیکن ترے خیال کو دِل سے بھلائے کون؟

اب تک تو ہی یہ حال، مگر کیا خبر کہ اب
افسردگیٔ شوق کو پھر گدگدائے کون؟

کرلے کوئی نیازِ وفا کو قبولِ ناز
یہ سوچ کر کہ پائے ہوئے کو گنوائے کون؟

بے اختیار پہلے بھی کھویا تھا دل کو جب
پھر دل پر اختیار خدا جانے پائے کون؟

اسباب کی خدائی میں آثار ہی تو ہیں،
آثار کے خلاف نتائج پہ جائے کون؟

گرتے ہیں اشک یوں کہ برستے ہوں جیسے پھول،

کیا جانئے آنسوؤں میں مری مسکرائے کون؟

لے کام تیغِ ناز سے پھر، ورنہ کیا خبر،

قاتل بنے خود، اور مجھے بسمل بنائے کون؟

دو شعر

میری تقدیر کہ بدلیں تری نظریں مجھ سے

تیری نظروں سے تو تقدیر بدل جاتی ہے!

زندگی بھر مجھے اِس راہ میں چلنے گذری

موت جس راہ سے کترا کے نکل جاتی ہے

کون آتا ہے؟

شبِ غم عیش کا مژدہ سنانے کون آتا ہے؟
یہ میرے آنسوؤں میں مسکرانے کون آتا ہے؟
ٹھہر سکتا نہیں سینے میں جب دل مضطرب ہو کر
سکوں بن کر مرے پہلو میں جانے کون آتا ہے؟
کچل دیتی ہے جب احساس کو سنجیدگی غم کی،
شرارت سے مرا دل گدگدانے کون آتا ہے؟
بھیانک تیرگی میں غم کی جب دم گھٹنے لگتا ہے
چراغِ کشتۂ عشرت جلانے کون آتا ہے؟

شبِ غم دل پہ چھا جاتا ہے جب اک حزنِ بے خوابی

نشاطِ روح بن بن کر سُلانے کون آتا ہے؟

وفورِ یاس کر دیتا ہے جب لبریز غم دل کو!

خوشی بن کر مرے دل میں سمانے کون آتا ہے؟

اجل کے تیز قدموں کی جب آہٹ آنے لگتی ہے

باندازِ مسیحائی سرہانے کون آتا ہے؟

مرا دل ڈوبنے لگتا ہے جب غم کے سمندر میں

مری کشتی کو ساحل سے لگانے کون آتا ہے؟

نظر آتا ہے جس میں عشرتِ ماضی کا مستقبل

مجھے اُس خوابِ غمگیں سے جگانے کون آتا ہے

بہار آنے کو ہے؟

گلشنِ اُمید میں فصلِ بہار آنے کو ہے
مُژدہ باد اے دل وہ جانِ انتظار آنے کو ہے

رخصت اے رنجِ کشاکش ہائے ضبط و اضطراب
اب وہ مختارِ دلِ بے اختیار آنے کو ہے

اب میں سمجھوں گا کہ میری زندگی ہے زندگی،
اعتبارِ ہستیٔ بے اعتبار آنے کو ہے

ختم ہونے کو ہیں اب ایامِ رنجِ انتظار
اب خدا چاہے تو لطفِ انتظار آنے کو ہے

جب گئے تھے مرے گھر تو وہ میرے دل کی بہار

اب وہ پھر آنے لگے ہیں، اب پھر بہار آنے کو ہے

دیکھنا اب جوشش نشو و نما جذبات کی

آرزوؤں کا مری پروردگار آنے کو ہے

ہو چکی تھی اپنی جس قسمت سے بیزاری مجھے،

اب اُسی قسمت پہ اپنی مجھ کو پیار آنے کو ہے

میرا مطلب ہے کہ بن کر بے قراری کا عوض

میرے دل کی بیقراری کا قرار آنے کو ہے

جس کے قدموں پہ غرورِ عشق کی ہوگی جبیں،

کائناتِ حُسن کا وہ تاجدار آنے کو ہے

بوستانِ جاں پہ برسیں گی گھٹائیں حُسن کی
مژدہ باد اے میکشو! ابرِ بہار آنے کو ہے

ہوتی ہیں قربان جس پر خود بہاریں حُسن کی
تُجھ میں اے باغِ محبّت وہ بہار آنے کو ہے

ہاں مُبارک لطفِ زخمِ سینہ چاکی اے گُلو
باغ میں موجِ نسیمِ مُشکبار آنے کو ہے

ہاں مُبارک نُزہتِ فصلِ بہار اے بُلبُلو
اس بہارِ باغ پر اور ایک بہار آنے کو ہے

جانے بسمل دِل میں یا کانوں میں آتی ہے صدا،
جیسے رہ رہ کر کوئی کہتا ہو، "یار آنے کو ہے"!

ہم نہ ملیں گے

دل دادۂ حُسن آپ کو کُچھ کم نہ ملیں گے

مِل جائیں گے ہم سے بھی، مگر ہم نہ ملیں گے

جس روز یہ چاہیں گے مجھے تم سے مِلانا!

اُس روز یہ دن رات ہی باہم نہ ملیں گے

گر تم متوجہ بھی ہوئے صورتِ خورشید

ہم تو صفتِ دیدۂ شبنم نہ ملیں گے

جس دِن نہ رہیں گے مری قسمت کے بل اِن میں

اُس دِن سے تری زلف کو یہ خم نہ ملیں گے

کہتی ہی جسے بزم تری "عیش و مسرت"!

کیا حُسن کی ہر بزم میں وہ غم نہ ملیں گے؟

دو شعر

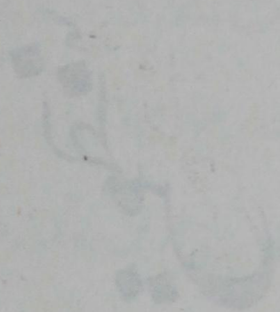
نظر میں جس کی وہ حُسنِ کرشمہ ساز رہا

رہی نہ کوئی حقیقت نہ کچھ مجاز رہا

گُذر گئی ہے مِری اُن کی مُدتوں یوں بھی

نیاز و ناز میں کچھ بھی نہ امتیاز رہا!

نظمیں



زوالِ انسانیت

جو ابھی پیشِ نظر تھا وہ سماں کیا ہو گیا!

وہ زمیں کیا ہو گئی، وہ آسماں کیا ہو گیا

آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ اہلِ جہاں کیا ہو گئے

دیکھتے ہی دیکھتے حالِ جہاں کیا ہو گی

شمع سے کیفیتِ سوزِ دُروں کیا ہو گئی

بزم سے پروانۂ آتش بجاں کیا ہو گی

اب نہ پھولوں میں وفا کی بُو، نہ رنگِ اخلاص کا

تُجھ کو اے آب و ہوائے گلستاں کیا ہو گ

خوفِ گلچیں تھا، نہ جس میں ہیبتِ صیاد تھی
وہ چمن کیا ہو گیا، وہ آشیاں کیا ہو گیا

جس کی تمکینِ نظر سے کانپتے تھے انقلاب
بزم کا وہ ضامنِ امن و اماں کیا ہو گیا

زندگی سے جس کی ٹکرا کر اُچٹ جاتی تھی موت
آدمی وہ رُوح کا سنگِ گراں کیا ہو گیا

نذر کرتا تھا جسے پیکِ اجل، ذوقِ بقا
زندگی کا وہ مذاقِ جاوداں کیا ہو گیا

صبح کا تھا خوف جس کو اور نہ فکرِ شام تھی
آج وہ مستغنیٔ دورِ جہاں کیا ہو گیا

جس میں اَوروں کا زیان وسُود بھی ملحوظ تھا

دِل سے وہ اندیشۂ سود وزیاں کیا ہوگیا

صرف اپنا گھر ہو زیرِ سایۂ ابرِ بہار

جذبۂ ہمدردئ ہمسائگاں کیا ہوگیا

روح پر پڑتی نہیں چوٹ اب کسی کے رنج کی

دِل کی گہرائی سے دردِ دیگراں کیا ہوگیا

دیکھ کر اَوروں کے غم کو دل پگھلتا ہی نہیں

دیدۂ ہمدرد کا اشکِ رواں کیا ہوگیا

جس کو ہمدردی نے جب چاہا برابر کر دیا

دَرد و درماں کا وہ فرقِ درمیاں کیا ہوگیا

صور بھی پھونکیں اِن آوازوں میں، تو ناکام ہو

معبدوں کا جذبِ ناقوس واَذاں کیا ہوگیا

ہو رہی ہے اِس کے ایمانوں سے اب تعمیرِ دَیر،

یاالٰہی اِس حرم کا پاسباں کیا ہوگیا

اب نہ وہ رند، اور نہ وہ مستی، نہ وہ ابرِ بہار،

تیرے منچلے کو اے پیرِ مغاں کیا ہوگیا

آج ہے اپنے خزانوں پر سلاطیں کو غرور،

فقر کی غیرت کا گنجِ شائگاں کیا ہوگیا

دَورِ آزادی و عریانئِ حُسن و عشق ہیں،

اپنے دِل، اپنی نظر کا پاسباں کیا ہوگیا

پوچھتے تھے کل تک اپنی منزل اہلِ کارواں

آج منزل پوچھتی ہے کارواں کیا ہوگیا

کچھ تغیر ہی نہیں اپنے جمودِ حال میں

اب تجھے اے انقلابِ آسماں کیا ہوگیا

ساری محفل پر مسلط اختلالِ ہوش ہے

کون پوچھے، کون بتلائے یہاں کیا ہوگیا

چیختا پھرتا ہے بسملؔ با صدائے اشک و آہ

تجھ کو اے ہندوستاں، ہندوستاں، کیا ہوگیا

شعر

سازِ دل میں کہیں پُر زمزمہ صدا ہوتی ہے، میری آواز میں آوازِ خُدا ہوتی ہے!

ترانۂ وطن

وطن کی آن پر میں جان قربان کر کے چھوڑوں گا

نہ مانوں گا یہی کارِ نمایاں کر کے چھوڑوں گا!

محبت ہے اگر اپنے وطن کی فرضِ ایمانی

محبت کو وطن کی اپنا ایماں کر کے چھوڑوں گا!

وطن کے دوستوں سے کیوں پشیمانی مجھے ہو گی

وطن کے دشمنوں کو میں پشیماں کر کے چھوڑوں گا!

نہ گھبرائیں بس اب راتیں اندھیری کاٹنے والے

کہ میں ایک ایک گھر کو اب چراغاں کر کے چھوڑوں گا!

میں ہر ہندی کے دل میں غیرت اور غصّے کو بھر دوں گا

میں اِس دریا کے ہر قطرے کو طوفاں کر کے چھوڑوں گا!

بنا دوں گا سپاہی دیش کے ایک ایک بچّے کو

وطن کے ذرّے ذرّے کو درخشاں کر کے چھوڑوں گا!

وطن کی زیست کے اسباب پیدا کر کے مانوں گا

وطن کی فتح جس سے ہو وہ ساماں کر کے چھوڑوں گا!

حفاظت کا کیا ہے عہد، اور پیماں شجاعت کا

وطن سے پورے اپنے عہد و پیماں کر کے چھوڑوں گا!

وطن میں جس قدر کر دی گئی ہیں مشکلیں پیدا

میں اُن میں کی ہر اک مشکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا

گیاہے خون سے جس نے گراں میرے لئے پانی
میں اُس کے خون کو پانی سے ارزاں کرکے چھوڑوں گا!

قسم ہے مُجھ کو اے جنّت نشاں تیری بہاروں کی
کہ میں ہر خار کو تیرے گلستاں کرکے چھوڑوں گا!

مجھے سوگند ہے اپنے وطن کی اب تو دشمن کو،
پشیماں کرکے چھوڑوں گا، پریشاں کرکے چھوڑوں گا!

وطن کی عشق نے پیدا کیا ہے وہ جنوں بسملؔ،
کہ میں اب چاک دشمن کا گریباں کرکے چھوڑوں گا!

شعر

اللہ اللہ کیا جنونِ عشق کی توقیر ہے بتکدہ گھر ہے مرا، کعبہ مری جاگیر ہے

حُورِ حَرَم

شریکِ راحت و غم، اے مری رفیقِ حیات
مرے حیات کے مقصد کی جان ہی تری ذات

بہار ہی یہ جہاں، نازشِ بہار ہے تُو!
کہ حُسنِ صنعتِ خالق کی شاہکار ہے تُو

یہ حُسنِ سادہ یہ معصوم اَدائیاں تیری
نہاں ہے تُجھ سے بھی خود دِلربائیاں تیری

مذاقِ عشق کو تقدیس ہے تری تسلیم!
اَدا اَدا تری کوثر، نگہ نگہ تسنیم!!

ہمیشہ فرض ادائے نیاز ہے تجھ پر،
اگرچہ حسن و محبت کو ناز ہے تجھ پر!

سما گئی ہے کچھ اِس طرح میری ہستی میں
کہ اپنے آپ کو رکھا نہ اپنی ہستی میں!

بغیر میرے تجھے تو بھی خود عزیز نہیں،
کہ جب میرے بغیر آپ کوئی چیز نہیں

مری نگاہ سے وابستہ ہے نگاہ تری
مجھی میں واہ تری اور مجھی میں آہ تری

مجھی سے تجھ کو محبت، مجھی سے شکوہ ہے
مجھی سے دین ہے تیرا، مجھی دنیا ہے!

ہمیشہ میری ہی چتون کو دیکھتے رہنا

مری نظر کی اجازت کے بعد کچھ کہنا!

مرے ہی واسطے خود بین و خود نما ہونا

مجھی کو صرف میسّر ہے آئینہ ہونا

لحاظ، دل شکنی، دل دہی کا رکھتی ہے

خیال، میری خوشی ناخوشی کا رکھتی ہے

اگرچہ پاسِ خوشی بھی نہیں ہے کم تجھ کو،

مگر خوشی سے سوا ہے لحاظِ غم تجھ کو!

تُو ناخوشی میں بھی رہتی ہے میری خاطر خوش

ہزار غم بھی ہوں دل پر، مگر بظاہر خوش

شریک دل سے مری حالتِ تباہ میں ہے
نگاہ میں ہے تبسّم، ترنّم آہ میں ہے

جو کوئی بات گراں بھی تجھے گذرتی ہے،
تو کس خوشی سے طبیعت پہ جبر کرتی ہے

تڑپ کے سینے سے کیوں دل نکل نہیں آتا
کہ دَم پہ بن کے بھی تیوری پہ بل نہیں آتا

یہ تیری محنتِ پیہم، یہ تیری صبح و شام
مرا خیال ہے، بچّوں کی فکر، گھر کا کام

ترے نصیب کے دن ہیں کچھ ایسے دنیا میں
خوشی نہ ہو تری قسمت کی جیسے دُنیا میں!

یہ سرد آہ تری، جس سے تو سلگتی ہے،

اِس آہ کی دلِ قدرت پہ چوٹ لگتی ہے

مری زمین، مرے آسمان کی ملکہ،

مرے حدود میں، میرے جہان کی ملکہ

نژادِ جود ہو، اور بارِ خاطرِ ہستی،

ترے پسینے میں ہے غرق، فاطرِ ہستی

صد آفریں تجھے، یہ تیری فطرتِ عالی!

زہے یہ ظرف، زہے تیری ہمتِ عالی!

تو بے نیاز ہے، ہر چند بے نیاز نہیں

ترا نیاز، کسی کا بھی رہنِ ناز نہیں!

یہ کر رہی ہیں اگرچہ ڈگر ڈگر آنکھیں،
کسی کے سامنے جُھکتی نہیں مگر آنکھیں!
خیال بھی تو کسی کا نہیں ترے دل میں،
نہیں ہے تیرے سوا کوئی جیسے محفل میں
اگرچہ "سِلکِ گُہر" بھی ہو، کوئی نخوت خُو
مجال کیا کہ اُسے آنکھ اُٹھا کے دیکھے تُو!
مقابلہ نہیں کرتی تُو اپنی حالت سے،
غرض نہیں تجھے اہلِ جہاں کی ثروت سے
ہزار غم سے تنفّس ہے سرد و نرم رواں
تری رگوں میں ہے غیرت کا خونِ گرم رواں

یہ کہہ رہا ہے ترا اشکِ دیدۂ غمناک

کہ تاجِ شاہ کے موتی کی آبرو پہ خاک

بلائے دیتے ہیں تاروں کو آسمانوں کے

یہ چار پیسے کے آویزے تیرے کانوں کے

مئے نشاط ترے ساغرِ سفال میں ہے

خوش اپنے حال میں نا خوش بھی اپنے حال میں ہے

کرے نہ کیوں تری ہستی پہ حسنِ فطرت ناز

کہ بے نیازِ تکلّف ہے تیرا ہر انداز!

یہ سادگی کو ترے حسن کی ہے اندازہ

کہ حُسن کا ہے فقط سادگی ہی اِک غازہ

مِٹے نہ فطرتِ بے لَوث کے تری، جَوہر
اثر نہیں کوئی تیرے ضمیر و باطن پر
تُو، اور قدیم روایات، اور وفاداری
جدید علم، نہ تہذیبِ نَو کی عیّاری
جہاں میں جس سے ہے رنگیں مزاجیٔ نسواں
وہ لاکھ علم ترے جہلِ سادہ پر قرباں
ہزار جہل سے بدتر ہے چاکدامانی
ہزار علم سے بہتر ہے پاکدامانی
بنائیں جن کو سلیقہ شعاریاں پُرفن،
مُبارک اُن کے سلیقوں سے تیرا اَلھڑ پَن !

اُٹھے حجابِ فریب اب جو دیدہ و دِل سے
حقیقتوں کا ہُوا اِنکشاف باطِل سے

خجل بھی، خوش بھی ہوں تجھ سے یہ بات کہہ کر میں
سمجھ سکا ہوں تجھی تُجھ سے دُور رہ کر میں

خرابیوں کو بھی میری نباہنے والی
بُرائیوں کو بھی میری سَرَاہنے والی

مرے چلن مجھے پُہنچائیں جس مصیبت پر
اُسے بھی کرتی ہے محمول اپنی قسمت پر!

گذر گئے ہیں، مگر دل پہ داغ ہیں اَب تک
وہ دن جو لعنتِ قلب و دماغ ہیں اَب تک

کہاں ہے میری ہَوَس کاریوں کا وہ عالم،

نظر ہوئی جو ترے حُسنِ سادہ سے برہم

پھرا نظر میں طلسم خیالِ رنگا رنگ

ہُوا اسیرِ فریبِ جمالِ رنگا رنگ

فتورِ عقل کو جب میں سرور سمجھا تھا

ہر ایک لُعبتِ لعنت کو حور سمجھا تھا

تری وفاؤں کے سجدوں سے ہوگئیں بیزار

ہوس کی ٹھوکریں کھاتا پھرا سرِ بازار

نہ آئی لینے تری یاد بھی جہاں مجھ کو

دلِ خراب نے پہنچا دیا کہاں مجھ کو!

وہ قلب و روح کا دوزخ، نگاہ کی جنّت

وہ بوئے فحش کے بھبکے، گُناہ کی جنّت

دلِ خراب تھا عصیاں گہِ جوانی تھی،

مرا شباب تھا، قربان گہِ جوانی تھی

مگر ہنوز ترا حاصلِ دُعا میں تھا!

خدا کے سامنے سجدوں کا مدعا میں تھا

دُعائیں تُو، بہ درِ لاشریک مانگتی تھی!

خدا سے میری محبت کی بھیک مانگتی تھی

اُن آنسوؤں کی دُعاؤں کا تیری ہے یہ اَثر،

وہی ہوں میں، وہی تُو ہے، وہی ہمارا گھر

اگرچہ آئینۂ خوب و زشت ہے دنیا،
مگر ہمارے لئے اب بہشت ہے دنیا!
ملالِ رشک، نہ اندیشۂ جُدائی ہے
ہم اب وہاں ہیں جہاں عشق کی خدائی ہے
مُصیبتوں میں ہی راحت ہماری جنّت ہیں
ہر ایک غم ہے مسرت، ہماری جنت میں
اُجاڑنے سے یہ جنّت کہیں اُجڑتی ہے،
مصیبتوں سے "مُحبّت" میں جان پڑتی ہے



حبیب[1] میاں کے نام

زمین عشق ہے عشق آسمان ہے گویا!

غرض کہ عشق ہی سارا جہان ہے گویا

بغیرِ آرزو، کیا زندگی محبّت کی

کہ آرزو ہی محبّت کی جان ہے گویا

رہا نہ مرکزِ سمت و جہت کوئی قائم!

ترے بغیر مکاں لامکان ہے گویا

وہی زمین، وہی آسمان ہے، لیکن

نہ وہ زمین، نہ وہ آسمان ہے گویا

[1] یہ نظم اُس وقت لکھی گئی تھی جبکہ برخوردار حبیب میاں سلمہٗ بعمر ۱۱ سال بغرض تعلیم ٹونک سے باہر گئے ہوئے تھے۔

اگر میں دل ہوں، مری آرزو ہی تیری ذات

اگر میں جسم ہوں، تو میری جان ہے گویا

ادھر اُدھر مری آنکھیں تجھے پکارتی ہیں

مری نگاہ نہیں ہے، زبان ہے گویا

ترا ہی نام نکلتا ہے جس کو دوں آواز

کوئی خیال ہو، تیرا ہی دھیان ہے گویا

گئے ہو جب سے تم اس گھر سے کچھ یہ عالم ہے

کہ گھر کے گھر میں ہر اک میہمان ہے گویا

تمھارے نام پہ محبوب چونک پڑتا ہے

تمھاری یاد ثریاؔ کی جان ہے گویا

۱؎ چھوٹا بھائی۔ ۲؎ چھوٹی بہن۔

تمھارے جانے سے خوش ہے تو ایک آسما[1] ہے

کہ یہ مکان اب اُس کا مکان ہے گویا!

گُذر رہی ہے مری اِس طرح زمانے میں

زمانہ مُجھ پہ بہت مہربان ہے گویا

عیاں ہے عبرتِ دوش، اور حسرتِ فردا

زبانِ حال پہ میرا بیان ہے گویا

کہاں تک آہ، بہ ہر جہدِ زندگی ناکام

جگر میں تاب، نہ اب دل میں جان ہے گویا

کچھ ایسا بار ہوا ہوں میں دوشِ ہستی پر

کہ ہر جنازے پر اپنا گُمان ہے گویا

[1] بڑی بہن

کچھ اِس خوشی سے بڑھا جا رہا ہوں موت کی سمت

کہ آہ موت بھی اک امتحان ہے گویا!

اِسی زمین سے میرا خمیر ہے، لیکن،

مرے لئے یہ زمین، آسمان ہے گویا

کہاں بزرگوں کے وقتوں کی اب وطن میں بہار

اب اِس چمن میں خزاں باغبان ہے گویا

جُدا کیا ہے اُسی نے، وہی ملائے گا

مرے تمہارے خدا درمیان ہے گویا

شعر

وہ جس سے سلسلۂ سجدہ دراز رہا سرِ نیاز، نہ وہ آستان ناز رہا

فلسفۂ پرواز

دل میں کیا صرف حسرتِ پرواز
دے پروں کو بھی زحمتِ پرواز

ایک قطرہ بساطِ شبنم، گُل
مگر اللہ رہی ہمّتِ پرواز

ہے پرِ کاہ بھی پرِ جبریل
گر میسّر ہو جرأتِ پرواز

بحرِ مواج و برِّ اعظم سے،
ہے فلک تک حکومتِ پرواز

ہے بہارِ بہشت و حُسنِ حور

اِک تخیّل کی نُزہتِ پرواز

عرش، اور ماورائے کُرسی و عرش

فکر کی صرف رفعتِ پرواز

راحتِ آشیاں ہے اُس پہ حرام

جس کو ہے ذوقِ لذّتِ پرواز

دام و صیاد و برق کچھ بھی نہیں،

ہو پروں میں جو قوّتِ پرواز

بال و پر ہوں نہ جب تک آہن و سنگ

نامناسب ہے شدّتِ پرواز

کوئی ہو بھی فضا شناسِ چمن،
کس سے کہیے نزاکتِ پرواز
شہپرِ موت کی ہواؤں میں
سہل ہوتی ہے دقّتِ پرواز
یہ بھی ہے اِک فریبِ صیّادی
کون دیتا ہے مہلتِ پرواز
اُس طرف ہیں فضائیں زہریلی
اِس طرف ہے اجازتِ پرواز
مرحمت کر کے بال و پرِ بسمل،
سلب کر لی ہے طاقتِ پرواز!

جوانی

جب رنگ طبیعت کا بدلتی ہے جوانی

انسان کی رگ رگ میں مچلتی ہے جوانی

جس راہگذر سے بھی نکلتی ہے جوانی

ہر نقشِ کفِ پا سے اُبلتی ہے جوانی

رُخ اپنا بدل لیتا ہے اُس سمت زمانہ

جس سمت بھی رُخ اپنا بدلتی ہی جوانی

جذبات کا اللہ رے طبیعت میں تلاطُم

ہر سانس کے ہمراہ اُبلتی ہے جوانی

دنیا کے قوانین بدل دیتی ہے قسمت

قسمت کے نوشتوں کو بدلتی ہے جوانی

اپنا ہی مزاج اپنے ہی بس کا نہیں رہتا

اِس طرح طبیعت کو بدلتی ہے جوانی

ہے عقل ہی دل سوز علیَ الرّغم محبّت

اور عقل ہی کمبخت سے جَلتی ہے جوانی

مذہب کا مُروّج نہیں رہتا کوئی قانون

جب حُسن کے آغوش میں پلتی ہی جوانی

منہ دیکھتی رہتی ہی لڑکپن کی شرارت

جب لے کر اک انگڑائی سنبھلتی ہی جوانی

مل جائے اگر اِس کو محبت کا سہارا

بے جان لئے پھر کہیں ٹلتی ہے جوانی

ہر گام دلِ عرش دہلتا ہو دھمک سے

جب فرشِ نزاکت پہ بھی چلتی ہے جوانی

حلقوں سے مشلِ شمع کے نکل آتی ہیں آنکھیں

جب سامنے سے ہو کے نکلتی ہے جوانی

جس طرح کہ پھٹتا ہو پہاڑ آگ کا کوئی

ایک ایک بُنِ مُو سے اُبلتی ہے جوانی

با ایں ہمہ اک روز وہ آتا ہے کہ بسمل،

دن بھی نہیں ڈھلتا ہے کہ ڈھلتی ہے جوانی

خلیفۃ الارض

خدائے ارض و دارائے سماوات!

منزّہ کیف و کم سے ہے تری ذات

مگر یہ تیری دُنیا اور یہ انساں

نظر آتے ہیں کیا خوابِ پریشاں؟

نہ یہ قانونِ قُدرت کے مُطابق

نہ وہ منشائے فِطرت کے مُطابق

نہ صبح و شام و روز و شب کے وہ دَور

نہ اخلاق و تمدّن کے ہیں وہ طَور

کروروں سال، کُن کو ہو چکے ہیں،

یہاں کے کار فرما سو چکے ہیں

رہی دُنیا نہ اب شہ کارِ قدرت

نہ وہ انسان، حقدارِ خلافت

اب اِس دنیا، اور اِس دنیا کی بابت

نہیں اِس کے سوا کوئی حقیقت،

عناصر اِس کے سارے سڑ چکے ہیں،

تری دُنیا میں کیڑے پڑ چکے ہیں!

شعر

اب تغافل نے سکھا دی ہیں اُسے التفات آمیز بے پروائیاں

کشمکش

عدو کے ساتھ وہ بیٹھے ہوئے ہیں میرے پاس

بچی بچی سی نگاہیں، رُکے رُکے انفاس!

رہینِ کشمکشِ عاشقی و بوالہوسی،

تعلّقاتِ قدیم و جدید کا احساس

نہ ہے تراوشِ جذباتِ مختلف، یعنی

اُدھر نگاہِ محبت، اِدھر نگاہِ یاس

زہے کرشمہ، زہے اعتبارِ عشق و ہوس

نگاہِ حسن بھی ہوتی ہے کیا مزاج شناس

اَدا اَدا کو ہے احساس ذمہ داری کا

اُدھر وثوق رہے ، اور اِدھر نہ ٹوٹے آس

یہ مشکلات ، یہ مجبوریاں ، ارے توبہ!

نظر سے اور کچھ اظہار ، دل میں کچھ احساس

کبھی ترنمِ گلبانگ ، اور کبھی دمِ سرد

کبھی شگفتہ شگفتہ ، کبھی اُداس اُداس

عجیب کشمکش و گو مگو کا عالم ہے،

کچھ اُس کا پاس اُدھر، اور کچھ اِدھر مرا پاس

صد اعتراف و صد اظہارِ شوق کی ضامن

کبھی کبھی غلط انداز ، اِدھر نگاہِ یاس!

ادا شناس یہی حسن کا ہی کچھ ہر چند!

ملی ہے عشق کو شوریدگی بجائے حواس

ہر ایک بات سے افشائے راز ہے، لیکن

خدا کا شکر کہ ہوتی نہیں ہوس حسّاس

مزاجِ حُسن، خلافِ وفا نہیں بسملؔ

مگر وفائے ہوس، جب نہ آئے حسن کو راس

شعر

کاش! ساری زندگی رہتا یہ عالم نزع کا

دل میں تیری یاد آنکھوں میں تری تصویر ہو

تجدیدِ پیماں

مٹ چکی تھیں ابتدائے شوق کی بیتابیاں

کر چکی تھیں دل میں گھر پیدا، سکوں سامانیاں

ہجر کی راتوں میں رشکِ غیر کی وہ کاہشیں

حسرتیں مچلی ہوئی، اور مضطرب وہ خواہشیں

ہو چکی تھیں محو سب فکرِ تصور سوز سے

مل چکی تھی دل کو فرصت عشقِ غم اندوز سے

قطعِ رسم و راہ سے اک اعتبارِ صبر تھا

اب نہ تھی بے اختیاری اختیارِ جبر تھا

خاطر افسردہ نہ تھی، لیکن غم کی دلدادہ نہ تھی

گرم تھی خاکسترِ دل، شعلہ آمادہ نہ تھی

بجھ چکی تھی اشکِ ناکامی سے حدّت عشق کی

ہاں مگر باقی تھی دل میں کچھ حرارت عشق کی

فطرتِ طرفین کو جو راز تھا معلوم تھا

جذبِ حسن و عشق اک سمجھا ہوا مفہوم تھا

ہو گئیں حالات سے جذبات میں تبدیلیاں

مٹ گیا صبر و سکوں، اُٹھنے لگا دل سے دھواں

دل کو پھر رہنے لگا اک اضطرابِ مستقل

پھر خیالوں میں ہوا اک انقلابِ مستقل!

پھر بُھلا دیں حُسن کی دل نے فریب انجامیاں

پھر امیدیں بن گئیں ماضی کی سب ناکامیاں

پھر وہی دیوانگیٔ شوق کے آثار ہیں،

سادگی ہائے محبّت پھر بروئے کار ہیں

دھڑکنیں دِل کی وہی پھر نامُسلسل ہوگئیں

مختصر ہو کردہ باتیں پھر مُفصّل ہو گئیں!

پھر سکونِ یاس میں ہے اضطرابِ آرزو،

شوق سمجھا ہے مجھے پھر کامیابِ آرزو!

خواہشوں میں پھر بپا اِک شورشِ پیغام ہے

محشرستانِ تمنّا پھر دلِ ناکام ہے!

اک نگاہِ منفعل تجدیدِ پیماں کر گئی!

پھر مری جمعیّتِ خاطر پریشاں کر گئی!



دو شعر

جہنّم فتنہ سازی ہے بہشت افسانہ سازی ہے!

نزی ہوتے ہوئے کس کو مجالِ پاکبازی ہے!

میں جتنا ڈوبتا جاتا ہوں کچھ اُبھرا سا آتا ہوں

جہاں تک غور کرتا ہوں حقیقت بھی مجازی ہے!

فریبِ حُسن

حریمِ حُسن سے میں بے وقار ہو آیا
نگاہِ عشق میں بے اعتبار ہو آیا
نیازِ عشق پہ سو ناز تھے مجھے، لیکن
غرورِ حُسن سے میں شرمسار ہو آیا
نگاہِ حُسن کا حُسنِ طلب، معاذ اللہ
اشارہ پاتے ہی بے اختیار ہو آیا

"تاثّرات میں اپنے بہت ہی نازک ہی

وہ حادثہ کہ میں جس سے دوچار ہو آیا

جو ناگوارِ تصوّر ہو کیا کسی سے کہوں

جسے میں خود نہ سُنوں وہ پکار ہو آیا

طبیعت اپنی ہی جانب سے کچھ مکدّر ہے

میں اپنے دِل کے لئے خود غُبار ہو آیا

نہ زندگی کو قبول، اور نہ موت کو منظور

عجیب واقعۂ ناگوار ہو آیا

گراں ہوں دوشِ دو عالم پہ میں سُبک ہو کر

جو اُٹھ سکے نہ کسی سے وہ بار ہو آیا

خدا ہی جانے، وہ کیا وقت تھا کہ ہیں حسبِ وقت

الم رسیدۂ لیل و نہار ہو آیا

رہا ہوں ایک "نگاہِ کرم" سے کیا محروم

رہینِ ہر ستمِ روزگار ہو آیا!

ذرا قرار سے دم بھر ابھی نہ گذری تھی

کہ عمر بھر کے لئے بے قرار ہو آیا

نگاہِ ناز کی بے التفاتیوں کی قسم

سُرور بن کے گیا تھا، خُمار ہو آیا!

وہاں سے آنے کے بعد اب یہ حال ہے جیسے

میں اپنی موت پہ خود سوگوار ہو آیا!

خزاں کے بعد نہ آتی ہو جس چمن میں بہار

میں اُس چمن کا مآلِ بہار ہو آیا

جنونِ عشق نے بسمل کیا ذلیل، مگر

فریبِ حُسن سے میں ہوشیار ہو آیا!

دو شعر

کِس قدر تم سے محبّت ہے مُجھے!

اِس کی شاہد ہیں مری تنہائیاں

حُسن کی خود داریاں ہیں ذمّہ دار

جس قدر ہوں عشق کی رُسوائیاں

آہ

وہ سرد و سُبک چاندنی راتوں کی فضا میں

خوشبوئے محبّت سے مہکتی ہوئی باتیں!

آتے ہوئے آغوشِ تمنا ہیں سمٹ کر

رُکتے ہوئے انفاس، جھجکتی ہوئی باتیں

بکھری ہوئی زلفوں سے اُلجھتے ہوئے اکثر

نشّے میں محبت کے بہکتی ہوئی باتیں

اللہ بھلائی نہیں جاتیں

یہ تند و ترش نفرت و تحقیر کا لہجہ،

شعلوں کی طرح گرم بھڑکتی ہوئی باتیں

نشترِ رگِ احساسِ محبت میں چبھوتی

کانٹے کی طرح دِل میں کھٹکتی ہوئی باتیں

چڑھتی ہوئی تیوری، کبھی بدلی ہوئی نظریں

انگاروں کے مانند دہکتی ہوئی باتیں

وَاللہ اُٹھائی نہیں جاتیں

شعر

گئے وہ دِن کہ جب سجدے مرے ٹھکرائے جاتے تھے

اُٹھا کر گھر میں رکھ لیں اب وہ سنگِ آستاں اپنا

....کے جاتی وقت

سُکونِ روح ! تُو کیا جا رہا ہے

محبّت کا زمانہ آ رہا ہے !

ترے جانے سے پہلے جلنے والے

ترے آنے کا ارماں آ رہا ہے !

کہاں سے لاؤں گا پھر تیری جُھوٹی

قسم پینے کی کیوں کِھلوا رہا ہے

نہ آؤں گا کبھی میں آپ میں پھر،

یہ مانا تو کبھی پھر آ رہا ہے

اگر تو واقعی آئے گا، جا کر!

تو میں کہتا ہوں پھر کیوں جا رہا ہے

مری باتیں تجھے کیا آئیں گی یاد

مجھے باتوں میں کیوں بہلا رہا ہے

گلے پر میرے چھریاں پھیرتا جا،

نگاہیں پھیر کر کیوں جا رہا ہے



وہ کہتے ہیں کہ لو، میں جا رہا ہوں

میں اپنے ہوش میں اب آ رہا ہوں

ترا جانا وداعِ جان و دِل ہے

ترے جاتے ہی میں بھی جا رہا ہوں!

خُدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے

تری باتوں سے بھی اُکتا رہا ہوں

غمِ انجام و یادِ لطفِ آغاز!

محبت کی سزائیں پا رہا ہوں!

مجھے رہ رہ کے یہ ہوتا ہے محسوس

کہ جیسے میں تجھے یاد آ رہا ہوں

در و دیوار کیوں رونے لگے تھے

مجھے اِن میں "نظر" میں آ رہا ہوں

ٹھہرو جانے والے! جانے والے!

مجھے ہوش آ رہا ہے، آ رہا ہوں

خُدا حافظ ترا، او جانے والے

خُدا حافظ ترا "پھر آنے والے

شعر

مستیاں تو چشمِ ساقی سے چھلک کر رہ گئیں

آ گیا کمبخت میخانوں پہ الزامِ شراب

اِستفتاء

(ایک مُفتیِ شرع سے)

خلوت میں مرا مشغلہ مے نوشی کا!

اسلام کو نقصان کا باعث ہی ہوا!

یا وقتِ جماعت سرِ بازار اکثر

مسجد کے قریب آپ کا بیٹھا رہنا؟

شعر

خدا سے بھی اُمیدیں ٹوٹتی ہیں، ✤ مریضِ غم کی نبضیں چھوٹتی ہیں

موت کا استقبال

سُن اے خُمخانۂ ہستی میں جامِ مرگ کے ساقی
جہاں تک رہ سکے انسانیت انسان میں باقی
جہاں تک جوہرِ غیرت کو قائم رکھ سکے اِنساں
جہاں تک نفس کی عزّت کو قائم رکھ سکے انساں
جہاں تک عظمتِ انسانیت کو وہ نہ کھو بیٹھے
جہاں تک اپنے انسانی شرف کو وہ نہ رو بیٹھے!
اُسے حق ہے وہ جی سکتا ہے انسانوں کی بستی میں
مثالِ شمع رہ سکتا ہے وہ فانوسِ ہستی میں!

زمانہ آدمیّت کا تحمّل کر سکے جب تک

مئے اُلفت سے جامِ دل کو انساں بھر سکے جب تک

رہے ماحولِ انساں پاک جب تک بیوفائی سے،

محبّت کر سکے دنیا میں جب تک بھائی بھائی سے

رہے بے لوث جب تک خانۂ اِمروز و فردا میں

رہے محفوظ جب تک آبروِ انساں کی دُنیا میں

بصد عیش و طرَب لیل و نہارِ زندگی دیکھو

ریاضِ دہر میں انساں بہارِ زندگی دیکھو

اگر افعالِ انسانی بہائم سے نہ شرمائیں

اگر اِنسان سے اوصافِ اِنسانی نہ چھن جائیں

اگر انساں کی خود داری نہ ہو شرمندۂ ہستی

اگر اَوجِ شرافت ہو نہ پامالِ غمِ پستی

بشر سے دُور گر احساس کا جوہر نہ ہو جائے

جہاں میں زندگی گر موت سے بدتر نہ ہو جائے

تو حقِّ زندگی انسان کو حاصل ہو دنیا میں

اُسے حق ہے مرے بھی وہ تو جینے کی تمنّا میں

مگر انسان سے اِنسانیت جب دُور ہو جائے

مگر انسان جب حالات سے مجبور ہو جائے

مگر جب زندگی غیرت کا استیصال کر ڈالے

مگر جب زندگی انسان کو پامال کر ڈالے

مگر جب زندگی محتاجِ لطفِ مادُ تو کر دے

مگر جب زندگی انسان کو بے آبرو کر دے

مگر جب زندگی اَتکالِ ایثار و مروّت ہو

مگر جب آدمی دنیا میں ننگِ آدمیّت ہو

مگر جب پاسِ ننگ و نام کی طاقت نہ ہو دل میں

حمیّت بھی اگر ہو دل میں، تو حالت نہ ہو دِل میں

مگر جب زندگی ہو مُہلکِ اوصافِ انسانی

مگر جب زندگی ہو، اِک ندامت اِک پشیمانی

مگر جب تنگ ہو دُنیا کی وسعت زندگانی پر

تو پھر اِک بار کیا، سو بار لعنت زندگانی پر!

اگر لیں زندگی کا جائزہ ہندوستاں والے

خصوصاً جس جگہ دُہری مُصیبت ہو، وہاں والے

بہیمیت پر انساں جس جگہ مجبور ہوتا ہے،

مرتّب غیر انسانی جہاں دستور ہوتا ہے

جہاں مفقود ہوں اسباب ساری زندگانی کے

جہاں مسدود ہوں ابواب ساری زندگانی کے

جہاں اپنے اور اپنوں کے سوا سب جانور ٹھیریں

طلبگارِ حقوقِ زندگی دریوزہ گر ٹھیریں!

زیادہ ہو جہاں انسان سے قانون کی قیمت

جہاں پانی سے کم ہو آدمی کے خون کی قیمت

نہ تعلیم اُن کی ممکن ہو، نہ ممکن تربیت اُن کی

جہالت ہو سرشت اُن کی، غلامیِ ذہنیت اُن کی

جہاں اِفلاس و بدحالی کے پردے اتنے حائل ہوں

کہ رشتوں کے برتنے کے مواقع بھی نہ حاصل ہوں

دُعا مقبول، اور مسموع نالہ ہی نہ ہو کوئی،

جہاں فریادیوں کی سُننے والا ہی نہ ہو کوئی!

اگرچہ گریہ وزاریٔ محزوں بے اثر نشود،

مگر در میکدہ ایں حادثہ اصلا خبر نشود

مَعاذَ اللہ اِن حالات میں جب زندگی گُذرے

کہ جن میں زندگی خود مُنفعل ہو جینے والوں سے!

جہاں محنت زیادہ لے کے تھوڑی مُزد ملتی ہو

جہاں اوروں کی عُریانی سے پوشاک اپنی سلتی ہو

غلط جذبہ شرافت کا جہاں رہنِ غلامی ہو،

نمکخواری کی لعنت داخلِ ذہنِ غلامی ہو

جہاں ہو فرض، صَرفِ امتیازِ ما و تُو رہنا

مدارِ آبرو ہو جس جگہ بے آبرو رہنا

جہاں انساں نہ سمجھا جائے فاقے کرنیوالوں کو

غم و غصّہ کھلایا جائے بھوکے مرنے والوں کو

جہاں فریاد کی تاثیر سے محروم ہو انساں

محبّت سے جہاں اولاد کی محروم ہو انساں

تو اے پیکِ اجل، ای ساقیٔ جامِ فنا آجا!

پیامِ زندگیٔ آبرو دیتا ہُوا آجا!!

پلادے وہ شرابِ تُندُ جس کو موت کہتے ہیں

گُلُستانِ ہستی آرزو میں جس کی رہتے ہیں

چھپادی خاک کے دامن میں انسانی معائب کو

سُلادی موت کی آغوشِ راحت میں مصائب کو

خدارا ختم کردے زندگی کی لعنتیں، آکر!

سکونِ مرگ کی ہم کو عطا کر رحمتیں، آکر!

رکھا زندگی نے آہ دُنیا میں کسی قابل

نہیں سامان اپنی موت کا بھی گو ہمیں حاصل

گوارا ہم کو بے گور و کفن لاشوں کا سڑنا ہے
مگر منظور دامن موت کا چہروں پہ پڑنا ہے

بصد جاں تیرا استقبال ہم کرنے کو بیٹھے ہیں،
ہمیں جینا نہیں ہے راس ہم مرنے کو بیٹھے ہیں!

شعر

مجھے ہیں یاد وہ باتیں بھی بیوفا تیری
کہ جن کے بعد دفا ننگِ عشق ہوتی ہے

دیگر

قتل گاہِ عشق بسمل، اور شہادت اس طرح ☙ روئے قاتل پر نظر ہے حلق پر شمشیر ہے

اہلکار

فسق اور فجور کرنے والے!
کبر اور غرور کرنے والے
ان کا نہیں کوئی اللہ، واللہ!
افسر ہے خدا، رسول تنخواہ
برآمدنی ہے وحی ان کی
ہر چند کہ "لا نبیَّ بعدی"
زردار ہیں یارِ غار ان کے
چار آنے ہیں چار یار ان کے

اِک قطرۂ سیم، ہفت قُلزم

ہیں پنجتن اِن کے چار رج پنجم

کب حشر کا اِعتبار اِن کو،

چھبّے کا ہے اِنتظار اِن کو،

حاکم تو بزعم خود ہیں فرعون،

محکوم کہیں خدا سے "تم کون"!

مکّاری کے ناخُدا یہی ہیں!

عیّاری کے دیوتا یہی ہیں

یہ جیت کے ہار کے خدا ہیں،

ہر غرضی گُذار کے خدا ہیں

خود مطلب و خود غرض، مُنافِق،

یعنی ہیں "بنی" کے یہ موافق

"کیوں جی" پہ یہ آستیں چڑھالیں

اور "ڈیم" سُنیں تو سَر جُھکا لیں

غارت گرو ہادِمِ شرافت

بد نام کُنندۂ حکومت



شعر

جب اپنے دُشمنوں کا ذِکر کرتا ہے کوئی بسمل

تو اپنے دوست اور احباب مجھ کو یاد آتے ہیں

رباعیات و قطعات

رُباعیات

(۱)

ملتی ہی جب اِک شوخ و شنگ اِن کو سرِ راہ
محشر بقدم، سیم تن، آوارہ نگاہ
مُلّا کو نظر آتا ہے اُس میں شیطاں
صوفی کو نظر آتا ہے اُس میں اللہ



(۲)

بوسیدگی کپڑوں کی نہ کرتی تھی حزیں،

فاقوں میں بھی خوش رہتے تھے شاہنشہِ دیں

اِن باتوں کو اب وعظ میں کرتی ہی بیاں

"اُبھری ہُوئی توند" اور "عبائے زرّیں"

(۳)

وہ اور ہے، وہ گھر پہ لگانے کی ہے

یہ اور ہے، یہ وعظ میں لانے کی ہے

دو عینکیں رکھتے ہیں جنابِ واعظ،

اِک دیکھنے کی، ایک دِکھانے کی ہے

(۴)

مستغنیٔ احکامِ شریعت ہو لوں

وابستۂ اوہامِ طریقت ہو لوں

چھوٹیں گے نہ اب حضرتِ مُرشد کے قدم

بہتر ہے کہ اللہ سے رخصت ہو لوں

(۵)

ہوتے ہیں مشائخ میں جو اکثر سالوس

افعال کے پاتے ہیں نتیجے معکوس

کھاتے ہیں مریدوں غذائے صالح

ہو جاتی ہیں معدوں میں ردی الکیموس

(۶)

اُس زُہد سے خود دین کو ہے بیزاری

جس زُہد کے پردے میں ہو عصیاں کاری

کر دیتا ہے جو دین کی صورت کو مَسُخ،

اُس دین سے اچھی ہے مری میخواری

(۷)

اِک رات سُہانی نہیں دیکھی جاتی!

جذبات فِشانی نہیں دیکھی جاتی!

سو عیبوں کا اِک عیب ہے یہ پیری میں

اَوروں کی جوانی نہیں دیکھی جاتی

(۸)

رنج جائے گا محفوظِ معائب ہونا

راس آئے گا اللہ کا نائب ہونا

پیری نے جوانی کے گُنہ ختم کیے

اے شیخ مُبارک تجھے تائب ہونا

(۹)

ایمان کی ہر سانس میں ڈھل جاتا ہے جہل

ایقان کی رگ رگ میں مچل جاتا ہے جہل

ثابت نہیں کر سکتے اُسے جہلِ علُوم

جب دین کی آغوش میں پل جاتا ہے جہل

(۱۰)

وہ علم ہے اک جہل عیاذاً باللہ!
جس علم سے ہو دین میں پیدا اکراہ
خود جہل بھی اپنے لئے سمجھے جسے عار
اُس جہل کو دے سکتا ہے یہ علم، پناہ

(۱۱)

جب عقل کی کرتا نہیں تعمیل یہ جہل،
کر سکتا ہے ادیان کی تذلیل یہ جہل
پھر جہل کی ممکن نہیں رہتی اِصلاح
جب علم میں ہو جاتا ہے تبدیل یہ جہل

(۱۲)

دل اور زباں میں نہ ہو تفریق اے کاش
فعل اُن کے کریں قول کی تصدیق اے کاش
فرماتے ہیں شاعری کو جھوٹا جو بزرگ
سچ بولنے کی اُن کو ہو توفیق اے کاش!

(۱۳)

عشرت گہِ صد عید نظر آتا ہے!
اِک قلبِ پُر اُمّید نظر آتا ہے!
گر پڑتی ہے جب خاک کے ذرّوں پہ شراب
ہر ذرّے میں خورشید نظر آتا ہے

(۱۴)

مخمور ہیں آثارِ خرابی اپنے

ہیں موئے بدن بھی تو شرابی اپنے

رہتا ہی کہیں جوہرِ رنگیں گھٹ کر،

قطرے ہیں پسینے کے گلابی اپنے

(۱۵)

مُفتی مری تکفیر کا فتوٰی دیدے

قاضی تشہیر کا نوشتہ دیدے

دِل سے مرے ایمان نہ چھلکے گا کبھی،

ساقی مجھے اِک جام چھلکتا دیدے

(۱۶)

مژدہ ہو جہنّم کے سزاواروں کو،
اللہ کی رحمت کے پرستاروں کو
دوزخ کو تو مے خوار پئے جاتے ہیں
اب کون جلائے گا گنہ گاروں کو!

(۱۷)

جب تک ہے شرابِ ارغوانی باقی
دنیا میں ہے کیفِ زندگانی باقی
ساغر میں جو باقی نظر آتی ہے شراب
بسملؔ یہ جوانی ہے جوانی باقی!

(۱۹)

مستِ مئے پندار، کسَل سے ہُشیار
پاداشِ عمل، ردِ عمل سے ہُشیار
اَوروں کی طرف پھینکنے والے پتھر
اپنے بھی ذرا شیش محل سے ہُشیار

(۲۰)

گر جنگ پہ مائل ہے تو میداں میں آ!
تلوار کا حامل ہے تو میدان میں آ!
بیٹھا ہے کہاں کونے میں چھپ کر، نامرد
مَردوں کا مقابل ہے تو میدان میں آ

(۲۱)

اِس میں حسد و بُغض، نہ فتنہ نہ فساد
بستی میں مرے دل کی ہے بس اُس کی یاد
آباد ہے بندوں سے خُدا کی دُنیا،
بسمل مِری دُنیا ہے خُدا اسے آباد

شعر

اُف رے فریبِ شوق کہ جس سے گذر گیا
دیکھا، تو ہوں ابھی اُسی منزل کے آس پاس

قطعات

یادِ وطن

غُربت کی زندگی میں تو یاد آ کے رات دِن
رکھتی ہیں بے قرار تری کج اَدائیاں
ایسا نہ ہو کہ تربتِ غربت میں بھی ڈسیں
اے سرزمینِ ٹونک تری بیوفائیاں!

دوست

اَب نہ آتے ہیں مری گھر نہ بُلاتے ہیں مُجھے
ڈُور سے دیکھ کے بھی راہ میں ٹل جاتے ہیں
بلکہ جس طرح مری پُھوٹ گئی ہوں آنکھیں
پاس ہوکر بھی وہ اِس طرح نکل جاتے ہیں
بسملؔ، اللّٰہ کی قدرت نظر آتی ہے مُجھے
دوست اِس طرح بھی دُنیا میں بدل جاتے ہیں

کمرۂ مُلاقات

بے ہوا، تنگ مُلاقات کے اِس کمرے میں
مطمئن رہ کے کوئی بات نہیں ہو سکتی
مِلنے دیتی ہے پراگندہ حواسی کس سے
آپ اپنے سے ملاقات نہیں ہو سکتی

قبر پرستی

جو کچھ مِلے، خوشی سے مِلے، جبر سے مِلے
بیتابئ طلب سے مِلے، صبر سے مِلے
قطبیّت و ولایت و ابدالیت تو کیا!
لعنت ہے اُس خُدائی پہ جو قبر سے مِلے

خطِ شوق

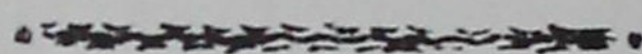
لکھتا ہوں خطِ شوق اگر اُن کو تو ڈر ہے
کیا ہو گا، گراں اُن کی طبیعت پہ جو گذرا
اور کاغذِ سادہ ہی اگر بھیج دوں خط میں
وہ سوچ لیں دل میں کہیں لکھنے سے زیادہ
ناواقفِ آدابِ محبّت ہوں الٰہی
کس طرح کیا جاتا ہے اظہارِ تمنّا

سبدِ گُل



اِس ننگِ عشق دِل نے تو پایا مُراد کو

مُجھ بدنصیبِ شوق کی کیا زندگی رہی



اُن کے کرم کو دیر گوارا نہ ہو سکی ٭ طرزِ اَدا ہی، میری دُعا سوچتی رہی

گو اُن کا حُسن وہ بھی نہ برداشت کر سکا لیکن ہمارے عشق میں پھر بھی کمی رہی

اُن کی نظر سے میری محبت کو کیا غرض اُن کی نظر کبھی نہ رہی، اور کبھی رہی

بسمل نیازِ شوق ہوا یوں قبولِ ناز خود میری آرزو مرا مُنہ دیکھتی رہی

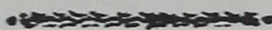


اُن کی صورت کا تصوّر ہے اب اتنا مُبہم

جیسے دیکھا نہ ہو آنکھوں نے سُنا ہو اُن کو

اُن کی معصومیتِ حُسن پہ اللہ کرے

حشر میں میرے گناہوں کی سزا ہو اُن کو!



مشعل بدوش شمع کی لَو دیکھتا ہوں میں

ذرّے میں آفتاب کی ضَو دیکھتا ہوں میں!

اُس اشک میں جو تا بہ مژہ بھی نہ آسکے

اِک سیلِ بے پناہ کی رَو دیکھتا ہوں میں!



احساسِ دردِ عشق نے اک رُخ بدل لیا

بعدِ حُصولِ شوق بھی حالت وہی رہی



بیاباں بنا ہوگا کوئی گلُستاں!

گُلستاں ہی اکثر بیاباں ہوئے ہیں

ابھی میری جانب سے کچھ بُعد سا ہے

ابھی وہ قریبِ رگِ جاں ہوئے ہیں

بہاریں تبسّم کی پرچھائیاں ہیں

وہی مُسکرا کر گُل افشاں ہوئے ہیں



ہے کائنات جس میں، لیکن نہ جس میں تُو ہو!

کوتاہ کس قدر وہ دامانِ آرزو ہے

ز ہے وطن کہ یہ کہتے بھی شرم آتی ہے

کہ اس چمن میں کبھی میرا آشیانہ تھا

ہنسنے میں یُوں نمی تری آنکھوں میں آگئی

شبنم سے بھیگ جاتے ہیں جیسے چمن کے پھول

رنگین جیسے تیتریاں شاخِ گُل پہ ہوں

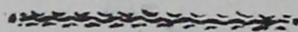
اس طرح تیرے جسم پہ ہیں پیرہن کے پھول

نکلی نہیں ہے شیشۂ بلّور سے شراب
دامن سے چاندنی کے یہ نکلے ہیں چھن کے پھول

دِل میں چُبھن سی ہوتی ہے آتے ہیں جب وہ یاد
غُربت میں خار بن گئے بسمل وطن کے پھول



ہائے وہ دو نامرادِ زیست جِن کے درمیاں
زندگی نے موت کی دُوری کو حائل کر دیا!



اُن کے تبسموں نے تو مجھ کو بھُلا دیا!
اب شاید آنسوؤں کو کبھی یاد آسکوں!

حجابِ لُطف و کرم میں ستم نِکلتا ہے!

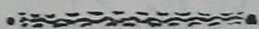
ہر اِک لباسِ مسرت میں غم نِکلتا ہے

نِکلتا حوصلۂ شوق بن کے ارماں کیا!

یہ جان بن کے بھی نکلے تو کم نِکلتا ہے

مفارقت کے غموں سے یہ حال ہے بسمل

کہ آہ، لَب سے جُدا ہو تو دَم نِکلتا ہے



شعر

عرضِ نیاز شوق تمھارے حضور میں

اک بد دُعا، دُعا کے ہے تحت الشعور میں

اپنے اپنوں کو سب نباہتے ہیں!

میں تمہیں دیکھتا ہوں اور چپ ہوں!

بہت شاد ہوتی ہے اب جب طبیعت

تو کچھ دیر رونے کو جی چاہتا ہے!

مُدّتیں ہو گئیں خزاں آئے!

ہے ابھی تک بہار آنکھوں میں

نزعِ بیمارِ غم کی حالت ہے

بس رہا ہے مزار آنکھوں میں

یوں تو یاد آتے ہی رہتے ہیں وہ اکثر، لیکن
قہر ہوتا ہے کسی بات پہ یاد آجانا



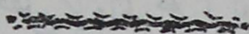
قہقہوں کی گونج میں خاموش آنسو بھی تو ہیں
عشرتوں کی کروٹوں میں غم کے پہلو بھی تو ہیں



بھنویں کھنچی ہوئی چہرے پہ ہیں وہ تلواریں
کہ جو نگاہ پڑے تو نگاہ کٹ جائے!

بسملؔ نیازِ عشق کو قدموں پہ ڈال دے
اقلیم نازِ حسن کے سرکار، آگئے!

تُمھاری جیسی شباہت کو ڈھونڈھتا تھا دِل
تُمھاری شکل نہ دیکھی تھی جس زمانے میں



بے ارادہ جو کسی کی یاد میں شامِل نہیں
وہ حقیقت میں ابھی مہجورِ بے واصِل نہیں



کوئی انساں نہیں قدرت سے جس کو دل نہیں مِلتا
مگر ہر اِک کو دردِ عشق کے قابل نہیں مِلتا!
سفینہ بھی ہے بحرِ عشق میں، ساحل بھی ہے لیکن
سفینہ جس کو مِلتا ہے، اُسے ساحل نہیں مِلتا

ترے در پر زہے شرمندۂ دریوزگی ہونا

دو عالم میں دماغِ نخوتِ سائل نہیں ملتا

خُدا جانے تری محفل کا عالم بھی کہاں تک ہے

کوئی دُنیا میں دُور اُفتادۂ محفل نہیں ملتا

اپنا اندازِ پذیرائی مجھے سمجھا دے!

اِس سے پہلے کہ ترے در کو جبیں ٹھکرا دے!

مطمئن کوئی حرم پر کوئی بُت خانے پر!

جس کو جو کچھ نگہِ ناز تری سمجھا دے!

کوئی محبت میں ہم سے پوچھے، ہماری مجبوریوں کا عالم

کہ ہم خود اپنی وفا کے ہاتھوں سے اپنا دامن چھڑا رہے ہیں

ہماری ناکام کوششوں کا خدا ہی جانے مآل کیا ہو

جسے نہ آنکھیں بھلا سکیں گی، ہم اُس کو دل سے بھلا رہے ہیں

میرے ہی لئے پھر گئی ہیں سب سے وہ نظریں

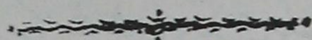
لیکن مری جانب تو نظر پھر بھی نہیں ہے!

یا اُن کے دل سے مجھ کو بھلایا نہ جا سکے،

یا میرے ذہن سے بھی بھلا دے خدا اُسے مجھے!

جن خطروں سے انساں کو ڈرایا تھا خدا نے

اُن سب سے خطرناک خود انساں ہی ابھی تک



موت کا کیا، موت کا تو سو طرح غم کیجئے

زندگی ناشاد کا کس طرح ماتم کیجئے!



مایوسیوں کے بعد بھی تو کچھ یہ حال ہے!

بیٹھا ہوا ہوں جیسے ابھی انتظار میں!

اُن کی بھی طرف دیکھ کبھی جو نہ آگے

دامانِ نگہ کو بھی نہ پھیلا نہیں سکتے!

اپنے احساسِ مسرت کو بھی کھو دیتی ہے!

جب محبت سببِ غم نہیں ہونے پاتی



اب آنسوؤں نے حقیقت بیان کی اُس کی

جو قہقہوں کی زباں پر کبھی فسانہ تھا!



معراجِ زندگی، محبت کسے نصیب،

اکثر تو اپنی جان سی بھی جا کے رہ گئے!

جو ہوائیں کیفِ نفَس نفَس، تو فضائیں رنگِ نظر نظر،

ترا حُسن ہے یہ شباب پر، کہ بہشت اپنی بہار پر

بُت خانوں میں اِدھر، تو خُدا خانوں میں اُدھر
تہذیب کے لُٹے ہیں گھرانے کہاں کہاں



کُچھ ایسے لوگ محرومِ خوشی دیکھے ہیں دُنیا میں!
کہ غم کر لی ہے اپنے حق میں اپنی ہر خوشی میں نے



صدمۂ ہجر سے کمبخت نہ گُذرے جب تک
آرزو وصل کی مُحکم نہیں ہونے پاتی

اللہ رے تیرا حُسنِ عالم فریب، کافر!
ہر حلقۂ نظر اک آغوشِ آرزو ہے!

ہو گا تمہارا نام ہی عنوانِ ہر ورَق

اَوراقِ زندگی کو اُلٹ دیں کہیں سے ہم

دُہرائی جا سکے گی نہ اب داستانِ عشق

کچھ وہ کہیں سے بھول گئے ہیں کہیں سے ہم

تجھ سے محرومِ تکلّم ہو کے اَوروں سے تو کیا

اپنے دل سے بھی تو لُطفِ گفتگو جاتا رہا

آباد ہے اِس نام سے ہر ذرّہ زمیں کا

دُنیا، مگر انسان سے ویراں ہے ابھی تک

کانٹے تو خشک ہو کے کھٹکتے ہیں اور بھی

وہ پھول تھے جو باغ میں مُرجھا کے رہ گئے

اُب حُسن سی بھی ہے عشق بیزار!

دیوانے کی کس سے دوستی ہے!

یہ مری جبینِ حیات پر مری سرنوشتِ ازل نہیں

یہ وہ کتبۂ غمِ مرگ ہے، جو لکھا ہو لوحِ مزار پر!

لالہ کنہیا رام [illegible] نے [illegible] نامی پریس واقع نکلسن روڈ دہلی میں چھپایا اور
لالہ [illegible] رام [illegible] نے منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز پبلشرز دہلی و الہ آباد سے شائع کیا

